جلد ۱۰۵ جون ۱۹۸۶ء عدد ۴

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارۂ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

کارِ سیاست بہت ہی شریفانہ مزاج اور ذمہ دارانہ طریقِ کار کا تقاضا کرتا ہے۔ اجتماعیات (SOCIOLOGY) کے متعدد چھوٹے بڑے دائرے ہیں، جن میں ہونے والے ہر کام سے بہت سے انسانوں پر مفید یا مضر اثرات پڑتے ہیں۔ اِن دائروں میں سے بہت ہی اہم اور وسیع دائرہ سیاست ہے جس کے گھیرے میں تقریباً سارے ہی دائرے آجاتے ہیں اور جس کے احوال سے سبھی متاثر ہوتے ہیں۔ پس کارِ سیاست کھیل تفریح کا معاملہ نہیں ہے کہ کوئی بھی من چلا اُٹھے اور ہزاروں لاکھوں انسانوں کے افکار و اخلاق سے کھیلنے لگے یا لوگوں کو مغالطے دے کر اور ان کو حواس باختہ کر کے عہدہ و جاہ حاصل کرے۔ یہ دوسروں کی خدمت کا کام ہے اور صلاح و فلاحِ معاشرہ کی مہم ہے۔

اس کام کے کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ عامۃ الناس کو بہترین عقیدوں اور روشن خیالات سے بہرہ مند کیا جائے، ان کو زندگی کے بہترین اصول، اجتماعیت کے لیے بہترین رابطوں اور باہمی تعلقات کے لیے پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی جائے۔ ان کو صبر و وقار اور نظم و نسق اور سمع و طاعت کی مسلسل مشق کرائی جائے۔ ان کو تربیت دی جائے کہ وہ دوسروں کے لیے ذریعہ خدمت و فلاح بنیں اور اپنی زبانوں، تحریروں، حرکات و سکنات اور مختلف سرگرمیوں سے کسی کو اذیت نہ پہنچائیں۔ اس کے ساتھ ان کے سامنے اعلیٰ درجے کا اجتماعی نصب العین دکھایا جائے۔ اور اس کے حصول کے لیے سفرِ مطلوب کا شعور دلایا جائے۔ اس طرز کے کام کے لیے جب کوئی شخص لیڈر بن کے اُٹھتا ہے۔ اور پھر اس کی پکار پر کوئی جماعت منظم

ہوتی ہے اور وہ جماعت اپنے لیڈر کی قیادت میں تبدیلیٔ احوال کے لیے تحریک برپا کرتی ہے تو ایسے ٹھوس اور تعمیری کام کے نتیجے میں ایک ایسا پاکیزہ نظامِ حکومت قائم ہوتا ہے جس کے ذریعے عدل و انصاف اور احسان و مروّت کے بہترین اصولوں کے برگ و بار عوام تک پہنچتے ہیں۔

—— یہ تعمیری اور معلّمانہ طریقِ سیاست انبیاء علیہم السلام کا تعلیم کردہ ہے۔

بدقسمتی یہ ہوئی کہ ہمیں جس دَور سے سابقہ پڑا اُس کو مادہ پرست مغرب کے غلط طرزِ سیاست نے مغلوب کر لیا ہے۔ تاہم مغرب والوں کے ہاں اگر بعض مُلکوں میں معیاری حکومت و سیاست کے انداز میں کچھ اچھے پہلو تھے بھی تو وہ ہمارے مغرب پرستوں نے ضائع کر دیئے ہیں۔

ہمارے ہاں سیاست کاری کے جتنے بھی غلط پیرائے پیدا ہوئے وہ اس بُنیاد پہ ہوئے کہ کسی بھی نئی اُبھرنے والی قوت نے قوم کی خدمت، معاشرے کی فلاح اور عوام کی بہبود کے بجائے اصلاً یہ ہدفِ مقصود سامنے رکھا کہ مجھے اقتدار ملنا چاہیے اور جلد سے جلد ملنا چاہیے اس کے لیے واسطہ قوم اور عوام کی بھلائی کا ضرور دلایا جاتا ہے، مگر کوئی کام ایسا نہیں کیا جاتا جس سے گواہی ملے کہ واقعی خدمت مطلوب ہے، بلکہ حالات کی شہادت اس کے برعکس ہوتی ہے کہ ہر قسم کا بگاڑ پیدا کر کے اور لوگوں کو فریب دے کر اپنے لیے راستہ بنانا ہے۔

جاہ پرستانہ سیاست کے مختلف غلط اسالیب میں بدترین طریقہ وہ ہے جسے "آندھی بگولا" سیاست کہنا چاہیے۔ بلا کسی پس منظر کے یکایک ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ کوئی واضح نظریہ نہیں، عقیدہ نہیں، لٹریچر نہیں، لوگوں کا ذہن بنانے کے لیے کسی محنت کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ کوئی اُصول اُن پر واضح کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ ان میں اخلاق و وقار کے ساتھ منظم زندگی پیدا کرنے کے لیے تلقین و تربیت کا کوئی اہتمام نہیں، ان کے لیے کوئی نصب العین متعین نہیں۔

بہت سے جھنڈے، بہت سے بینر، بہت سی تصاویر، بہت سے ٹرک، بہت سی بسیں،

بہت سی وجہیں: بہت سی کاریں اور بہت سے آدمی جمع کر لینے کے معنی یہ ہیں کہ جو اس میدان میں آگے بڑھ جائے وہ بہترین لیڈر ہے، اس کے ہاتھوں قوم کی قسمت سنور جائے گی اور اس کے ہاتھوں معاشرے کے مسائل حل ہو جائیں گے۔ مروجہ جمہوریت کا یہ اسلوب غلط ہے کہ کوئی شخص اپنے گرد زیادہ بڑا انبوہ جمع کر کے اُسے اس بات کی دلیل بنائے کہ میں ہی قوم کا بہترین خادم اور ملک کا سچا خیر خواہ اور تدبر و اخلاق کی اعلیٰ صفات سے آراستہ ہوں دوسری جانب ملک کے ہزاروں دانشور، مدبرین، خوش اخلاق اور بصیرت مند لوگ یوں محسوس کریں کہ جیسے اُن کے وجود کی تردید کر دی گئی ہے۔

بہت سے آدمی جمع کر لینے کا بھی بالکل نیا ترقی پسندانہ ہنر پیدا ہو گیا ہے۔ چاروں صوبوں سے نعرہ بازوں کو کسی ایک مقام کے جلسہ و جلوس میں اکٹھا کر لیا جائے۔ کسی صوبے کے کثیر التعداد ان پڑھ اور ان گھڑ افراد کو اٹھا کر ایک شہر میں لے جا ڈالا جائے۔ خود اس شہر کے لوگ بھی مبہوت ہو جائیں اور پورا ملک بھی اس شانِ "عوامیت" سے مرعوب ہو جائے۔ یہ سلسلہ آگے چلا تو میرا خیال ہے کہ ابوظہبی اور لیبیا اور بھارت اور کابل سے بھی "حاضری" سمیٹ لی جایا کرے گی۔

اصل بات تو روپے کی ہے۔ روپیہ اگر اپنے پاس ہو یا کسی طرح بہم ہو جائے تو حاضری جمع کرنا کیا مشکل اور بڑے سے بڑے جلوس نکالنا یا لاکھوں سامعین پر مشتمل جلسے کر لینا کیا کٹھن۔

دیکھنے کی چیز یہ ہوتی ہے کہ پہلے سے تعمیری سیاست کا کام کرنے والے جانے پہچانے حاضرین کتنے ہیں؟ سیاسی کارکنوں کا تناسب کیا ہے؟ پڑھے لکھے لوگ کس تعداد میں ہیں؟

محض انبوہ یا ہجوم فریب دہی کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اور سیاست میں اگر فریب دہی داخل ہو جائے تو وہ سراسر تخریب بن جاتی ہے۔

ایسی ہی سیاست پر اقبال نے گرفت کی تھی کہ "بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے"۔

طوفانی طرزِ سیاست کا خاصا ہے کہ معاشرے کے اندر سے عجیب عجیب طرز کے لوگوں کو اکٹھا کر لاتی ہے۔ کچھ لوگ اچھل کود رہے ہیں، کچھ "جاگ پنجابی جاگ" رہے ہیں، کچھ "جئے سندھ" کا ورد کر رہے ہیں، کچھ نعرہ بازی کے نام سے گندی گالیاں دے رہے ہیں، کچھ ہوٹل سے کھانا کھاتے ہیں اور پیسے ادا نہیں کرتے، کچھ پیٹرول لیتے ہیں اور قیمت نہیں دیتے۔ بیگار میں ٹرکوں اور ویگنوں کو پکڑ لیا جاتا ہے۔ کچھ پتلے بنائے جاتے ہیں، اُن کو سامنے رکھ کر زبان اور ہاتھ سے تحقیر کا اظہار کیا جاتا ہے، انسانوں کو گندے جانوروں کے نام دیئے جاتے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کی مِلی جُلی ٹولیاں باہمی بے باکی سے رونقِ سیاست بڑھا رہی ہیں۔

سارا زور اس پر ہے کہ ہمیں فلاں حریف کو پچھاڑنا ہے اور اس کی کرسی پر خود قبضہ کرنا ہے، اور قبضہ کرنے کے بعد بدلے لینے ہیں، باقی رہے عوام کے مسائل، سو وہ سب ہمارے آتے ہی حل ہو جائیں گے۔ مزدوروں کا مسئلہ حل، کسانوں کا مسئلہ حل، طالب علموں کا مسئلہ حل، غریبوں کے تمام مسائل حل، جاگیرداریوں کا خاتمہ، کالا باغ ڈیم مسترد، بجلی کی لوڈ شیڈنگ ختم ...... کم سے کم تنخواہ ایک ہزار روپے۔ یہ عوامی منشور ایک قصیدے کے طور پر زبان پر جاری ہے۔ نئے نئے شعروں کا حسبِ ضرورت اضافہ ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ جو مانگو سو ملے گا۔ بس آؤ اور ہمارا آئندہ کا چترِ شاہی اُٹھا لو۔

کسی مسئلے کا تجزیہ نہیں، ماضی کے حالات کا کوئی جائزہ نہیں، موجودہ مُلکی اور بین الاقوامی پیچیدگیوں سے بحث نہیں، بحالیِ جمہوریت کے لیے جو قدم اُٹھے ہیں اُن کا پوری طرح اعتراف نہیں۔ پیروکاروں کے لیے کسی معاملے میں کوئی تنبیہ اور تحدید نہیں۔ جو اختلافات بھٹو ازم اور پیپلز پارٹی کے سابق کردار کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں، ان میں سے کسی کا اطمینان بخش جواب نہیں۔ پارٹی کے ورکرز اور جلوس کے حاضرین کو ملکی سیاست کی بہتری اور معاشرے کی فلاح کے لیے کوئی تصور حاصل نہیں جسے وہ بیان کر سکیں۔ وعدوں اور نعروں سے متعلق کوئی وضاحت نہیں کہ کونسا مطلوب کس طرح اور کتنی مدت میں حاصل ہوگا۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے پر انتہائی نازک مراحل میں آندھی بگولے سے ہے کا حملہ ہو گیا ہے:

آندھی بگولا سیاست انسانوں سے سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب کر لیتی ہے، وہ کسی لیڈر یا پارٹی کے حق میں قوم کو مبہوت اور عوام کو مسحور کر دیتی ہے، ہر کوئی پہلے اپنی جان اور پھر اپنی پگڑی بچانے کی فکر کرتا ہے۔

اس سیاسی ریلے نے ہماری اخلاقی حالت کو کئی درجے نیچے گرا دیا ہے۔ زبانوں سے اتنا زہر پھیلایا گیا ہے اور قلم اور آرٹ کے واسطے سے اتنے مہلک جراثیم قوم کا مقدر کیے گئے ہیں کہ ان کی زد سے لوگوں کو بچانے کی مہم برسوں تک چلائی جائے تب کچھ بچت ہو سکتی ہے۔ یہ ایک طرح کی تابکاری ہے جو جدھر جدھر پھیلتی ہے، دماغوں کو ماؤف اور ضمیروں کو مفلوج کرتی جاتی ہے۔

اس سیاسی ریلے کے ساختہ پرو پیگنڈے کی جو نئی گرم رَوِیں چلیں اُنھوں نے لوگوں کی نگاہیں راستی اور انصاف اور شرافت سے ہٹا دیں، اُنھوں نے عوام کو جمہوری مزاج سے محروم کر دیا۔ اُنھوں نے ایک مصنوعی تاثر کی فضا ساری آبادی پر مسلط کرنے کا عمل جاری رکھا۔ اُنھوں نے پاکستان میں ایک نظامِ ظلم و جبر کو سات سال تک مسلط رکھنے والے اور چھاپہ ماری کے تخریبی کام کرنے والے خاندان کے لیے احترام کے جھوٹے جذبات پیدا کر دیئے۔ انھوں نے معاشرے کی اُمیدیں از سرِ نو وہاں جوڑنا چاہیں جہاں ان کو بُری طرح کچلا جا چکا تھا۔ ایسی ہوش رُبا سیاست پاکستان کے استحکام اور وجود اور معاشرے کے اسلامی رجحانات کے لیے انتہائی تباہ کن ہے۔

آج کی اس ساری مصیبت ناک صورتِ حالات کے ذمہ دار وہ لیڈر ہیں جنھوں نے اپنی گودوں میں اس قوت کی پرورش جاری رکھی جو آج ایک طوفانی صورتِ حالات مُلک پر مسلط کیے ہوئے ہے۔ یہ جو کچھ آج ہو رہا ہے اس کے متعلق سوچنے والوں نے ان پرورش کنندگانِ فتنۂ امروز کو پہلے سے متنبہ کیا تھا کہ آپ لوگوں کے رویّے سے یہ خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے۔

ہمارے لیے یہ مسئلہ کوئی مسئلہ نہیں کہ کس کی لیڈری کے پھریرے اُڑ رہے ہیں اور کس کی

پیشوائی کے لیے ناچ گانے کا انتظام ہو رہا ہے۔ اور کون چار دن کے لیے تخت پر قابض ہوگیا۔ نہ گافۂ آمد پہ عبرت، نہ خبر رفت کی پروا۔ ایسے کئی مُہروں کو پیٹ پٹا کر بساط سے نیچے پھینکا جانا ہے ـــ تب وہ وقت آئے گا کہ کسی شخص اور خاندان کی جگہ اسلام کی حکومت قائم ہو۔ پٹنے والے بہت سے مہروں کو ابھی سر اُبھار اُبھار کے آگے آنا ہے۔ آتے جائیں اور تقدیر کا قاضی ان کے فیصلے کرتا جائے گا۔

ہمیں دُکھ اس بات کا ہے کہ ہم اپنی قوم میں تعمیری سیاست کا جو لمبا کام معلمانہ طریق سے کرتے ہیں، اُسے یکایک کوئی آندھی یا طوفان اُٹھ کر سخت نقصان پہنچا دیتا ہے۔ ہمیں پھر اپنا سارا کام از سرِ نو کرنا پڑتا ہے، جیسے کوئی کسان طوفانِ برق و باراں کے بعد اپنی کیاریوں کو پھر درست کرتا ہے، بینڈیں پھر ٹھیک کرتا ہے۔ گرے ہوئے ٹہنوں اور ٹوٹے ہوئے پودوں کو اُٹھا کر باہر پھینکتا ہے اور پھر کئی دن تک اپنی کھیتی کو شاداب بنانے کے لیے لمبی محنت کرتا ہے۔

مگر ہمارا کام لمبی محنت کرنے کے سوا اور ہے بھی کیا؟ ہمیں ہر حال میں زمین کاشت کرنی ہے، کیاریاں بنانی ہیں۔ پانی دینا ہے۔ آندھی، طوفان اور جاڑے، سوکھے کے حملوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ بیج بوتے رہنا ہے، ان کی حفاظت کرنی ہے۔ برگ و بار سے مخلوقِ خدا کو بہرہ ور کرنا ہے۔ ہم تو یہ کام کرتے ہی رہیں گے۔

تخریبی سیاست سے بے پروا ہو کر ہم تعمیری سیاست کا کام کریں گے اور کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ساری مخالفتوں اور رمز احمقوں اور سازشوں اور فتنوں کا زور ٹوٹ جائے گا اور دین کا سکّہ رواں ہو جائے گا۔

بیچ میں جن جن کو جو تجربے کرنے ہوں وہ جلد جلد شوق پورا کر لیں۔

ہم اپنی قوم سے یہ اپیل کرنا چاہتے ہیں کہ آپ جس رُخ اور راستے پر چلنا چاہیں چلیں۔ مگر یہ ضرور دیکھیں کہ کیسی لیڈر شپ اور کیسی جماعت آپ کو پکار رہی ہے۔ اس کا عقیدہ و نظریہ

کیا ہے؟ وہ کن مقاصد کے لیے کام کرنا چاہتی ہے؟ اس کا اور اس کے کارکنوں کا کیا اخلاق و کردار رہا ہے؟ آیا اُسے تعلیم یافتہ اور شرافت پسند لوگوں کے معیارات سے مطابقت حاصل ہے؟ اس کے ذریعے معاشرے میں کیا الفاظ، کیا نعرے، کیا گالیاں، کیسی زبان، کیسی حرکات، کیا معیارِ افضلیت رائج ہو رہا ہے اور خالص سیاسی و معاشی پہلو سے کیا نئے ہدف سامنے ہیں۔ اور ان کے حصول کے لیے کیا پروگرام ہے۔ اور حائل مشکلات کا حل کیا بتایا جاتا ہے۔ آپ کو پکارنے والوں نے ماضی میں کیا کیا؟ حال میں وہ کن حالات میں ہیں اور ان سے مستقبل کیسا متوقع ہے؟

شور شرابے اور ہڑبونگ کی سیاست تو آپ کے ملک میں ظلم و ستم ہی پھیلا سکتی ہے۔ یا سیاسی و معاشی امور میں مضحکہ انگیز تجربات کر کے ساری قوم کو دنیا میں رسوا کر سکتی ہے۔ ان باتوں کو اچھی طرح سوچیے!

حکمتِ سیّد مودودیؒ

پاکستان کے مسلمانوں کے نام

پہلی عید کا پیغام

اڑتیس سال پہلے کا ایک پیغام جو روزنامہ تسنیم میں چھپا اور کہیں نقل نہیں ہوا

اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے تہواروں کی جگہ دو عیدیں ہم کو عطا کی ہیں۔ ایک عید الفطر، دوسرے عید قربان۔ آج ان میں سے پہلی عید کا دن ہے، اس دن کو خوشی کا دن اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ مالک نے اپنے بندوں کی اصلاح و تربیت اور رُوحانی ترقی کے لیے رمضان المبارک میں روزوں کا جو غیر معمولی نصاب مقرر کیا تھا، اُس سے آج وہ فارغ ہو گئے۔ اور اب اپنے رب کے حضور ان برکات کا شکریہ ادا کرنے حاضر ہوئے ہیں جو انہیں اس مہینہ میں عطا فرمائی گئی ہیں۔

پس یہ عید حقیقت میں ان لوگوں کے لیے یوم العید ہے جو واقعی اپنے خدا کا حکم بجا لائے۔ جنہوں نے اس کی خاطر روزوں کی تکلیف اُٹھائی اور تقویٰ کی وہ نعمت کمائی جس کے لیے یہ تکلیف انہیں دی گئی تھی۔ مگر یہ دن ان لوگوں کے لیے ماتم کا دن ہے، جن پر رمضان کا مہینہ آیا اور چلا گیا۔ بغیر اس کے کہ ایک روزہ بھی انھوں نے یہ محسوس کیا ہو کہ ان کے خالق نے انہیں کوئی حکم دیا تھا، جس سے وہ

منہ موڑے ہوئے رہے۔ ایسے لوگوں کو آج خوشی منانے کے بجائے توبہ و استغفار کرنا چاہیے۔ اور ان کے دوسرے بھائیوں کو ان کے حق میں دُعا کرنی چاہیے کہ خداوند عالم ان کو نعمتِ ایمان بخشے اور بندگی کی توفیق عطا فرمائے۔

آج ہمیں اس بات کی بھی خوشی ہے کہ ڈیڑھ سو برس کی غلامی کے بعد ہم پہلی مرتبہ آزاد پاکستان میں یہ عید منا رہے ہیں۔ مگر یہ خوشی ابھی نامکمل ہے ابھی تک یہ سوال معلق ہے کہ ہماری آزادی کیسی آزادی ہے؟ آیا ہم بندوں سے اس لیے آزاد ہوتے ہیں کہ خدا کی بندگی کریں یا خدا سے بھی آزاد ہو گئے ہیں تاکہ صرف اپنے نفس کی بندگی کرتے رہیں یہ مسئلہ ابھی تصفیہ طلب ہے اور خدا کے بندوں کو اپنی عید کی اصلی خوشی اس وقت تک ملتوی رکھنی چاہیے جب تک اس مسئلے کا فیصلہ قطعی طور پر خدا کی بندگی کے حق میں نہ ہو جائے[1]

اس عید کی خوشی میں درد و غم کا ایک اور کانٹا بھی ہے جو بُری طرح کھٹک رہا ہے اور وہ ہمارے ان لاکھوں بھائیوں کی مصیبت ہے جو مشرقی پنجاب، مغربی یو۔پی۔ دہلی، اجمیر، کاٹھیاواڑ، جموں اور کشمیر سے مظالم سہتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں۔ کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی عید کی خوشی میں منہمک ہو کر اپنے ان آفت رسیدہ بھائیوں کو بھول جائے[2]

اقتباس کردہ:

محمد یوسف صاحب، ناظم لائبریری، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور

---

[1] بدقسمتی سے اس مسئلے کا قطعی فیصلہ ہونا آج بھی باقی ہے۔ (ف۔ ر۔ ص)

[2] آج ویسا ہی فریضۂ امداد ہم پر مظلوم افغانستانی مہاجرین کے لیے عاید ہوتا ہے۔ (ف۔ ر۔ ص)

صدقۂ فطر

از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ایک درسِ مشکوٰۃ جو بیس برس پہلے شائع ہوا [1]

مرتبہ: حفیظ الرحمٰن احسن

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَکوٰۃَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِیْرٍ عَلَی الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّکَرِ وَالْاُنْثٰی وَالصَّغِیْرِ وَالْکَبِیْرِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَاَمَرَ بِھَا اَنْ تُؤَدّٰی قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَی الصَّلٰوۃِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ فطر مقرر کی تھی کھجوروں میں سے ایک صاع یا جَو میں سے ایک صاع غلام پر، آزاد پر، مرد پر، عورت پر، بچے پر، بڑے پر، جو بھی مسلمانوں میں سے ہو۔ اور آپؐ نے حکم دیا تھا کہ یہ صدقۂ فطر عید کی نماز کے لیے نکلنے سے پہلے پہلے ادا کر دیا جائے۔

اس حدیث میں صدقۂ فطر کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ صدقۂ فطر رمضان کے خاتمے پر عید الفطر کی

[1] مشکوٰۃ باب صدقۃ الفطر کا وہ درس جسے حفیظ الرحمٰن احسن صاحب نے ٹیپ ریکارڈ کیا، پھر اس سے اُتارا اور دسمبر ۱۹۶۷ء کے آئین میں شائع ہوا۔

نماز پڑھنے سے پہلے واجب ہوتا ہے۔ اس کی مقدار یہ مقرر کی گئی ہے کہ آدمی اگر کھجور کی شکل میں دے تو ایک صاع دے (ایک صاع چار سیر کا ہوتا ہے) اور اگر جَو کی شکل میں دے تو بھی ایک صاع یعنی چار سیر دے۔ آگے ایسی احادیث آتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آدمی گیہوں کی شکل میں دے تو اس کی مقدار دو سیر ہو گی یعنی صاع کا نصف۔

اس حدیث میں پہلی بات حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ صدقہ فطر واجب ہے۔ یعنی جو شخص صاحبِ نصاب ہے، اس پر صرف زکوٰۃ ہی واجب نہیں ہے بلکہ اس پر صدقہ فطر بھی واجب ہے۔

دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ صدقہ فطر کی ایک مقرر مقدار واجب ہے۔ اس سے زائد کوئی دے تو اپنی خوشی سے دے سکتا ہے۔ لیکن کم سے کم اسے جو دینا ہو گا وہ کھجور اور جَو میں سے چار سیر ہے اور گیہوں کی شکل میں دو سیر۔

تیسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ یہ صدقہ فطر ہر غلام، آزاد، بچے، بوڑھے، مرد، عورت سب کی طرف سے ادا کیا جائے گا۔ یعنی گھر کا مالک یہ صدقہ اپنے گھر کے تمام افراد حتیٰ کہ غلام تک سے نکالے گا۔ اگر گھر کا کوئی اور فرد بھی خود صاحبِ نصاب ہو تو صدقہ فطر اس پر بھی واجب ہے۔ مثلاً بیوی اگر خود مال رکھتی ہو تو وہ یہ صدقہ خود ادا کرے گی۔ ہاں اگر شوہر ادا کر دے تو دوسری بات ہے، لیکن واجب خود اسی پر ہے۔ کیونکہ شریعت کی رُو سے عورت کے اُوپر بھی صدقہ واجب ہے۔ اس طرح سے اگر آدمی کا کوئی بچہ جوان ہو گیا ہے اور خود کمانے والا ہے تو پھر یہ صدقہ اُس پر واجب ہے۔ جو چھوٹے بچے خود کمانے والے نہیں ہیں ان کی طرف سے باپ ادا کرے گا۔ اس طرح لڑکیوں کی طرف سے بھی باپ دے گا۔ پھر اگر ایک آدمی کا غلام کوئی ایسی تنخواہ پا رہا ہے کہ جس سے وہ خود اتنا مالدار ہے کہ اس پر صدقہ واجب ہو گیا تو وہ خود ادا کرے گا ورنہ اس کا آقا ادا کرے گا۔ گویا تمام گھر والوں کی طرف سے صدقہ فطر کا ذمہ دار تو صاحبِ خانہ ہی ہے البتہ افرادِ خانہ میں سے جو خود مالدار ہو وہ اپنی طرف سے یہ صدقہ ادا کرے گا۔

چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ صدقہ فطر عید کی نماز کے لیے نکلنے سے پہلے پہلے نکال دینا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ عید کی نماز کے لیے نکلنے کے وقت ہی نکالنا چاہیے بلکہ اس سے پہلے بھی

نکالا جاسکتا ہے۔ بعض لوگ اس غلط فہمی میں ہیں کہ یہ صدقہ فجر کی اور عید کی نماز کے درمیان ہی نکالنا چاہیے۔ لیکن یہ خیال درست نہیں۔ کیونکہ یہ تو گویا ایک آخری حد مقرر کی گئی ہے کہ آدمی عید کی نماز کے لیے نکلنے سے پہلے پہلے اس کو ادا کر دے لیکن اگر ایسا ہو کہ کوئی آدمی رہ گیا ہو اور ادا نہ کر سکا ہو تو اسے اس روز مغرب سے پہلے پہلے ادا کر دینا چاہیے۔ اس سے زیادہ تاخیر جائز ہے یا نہیں اس میں فقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کُنَّا نُخْرِجُ زَکٰوۃَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِیْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ اَقِطٍ اَوْ صَاعًا مِنْ زَبِیْبٍ ۰ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہم (عید کے روز) زکوٰۃ فطر نکالا کرتے تھے، ایک صاع غلہ یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو، یا ایک صاع پنیر، یا ایک صاع کشمش۔ مراد یہ ہے کہ آدمی کے پاس گھر میں خوراک کا جو سامان ہے وہ اس میں سے کسی ایک چیز کے ذریعے صدقۂ فطر ادا کر سکتا ہے۔ اگر ایک آدمی صدقہ فطر روپے کی شکل میں دینا چاہے تو وہ اس طرح بھی ادا کر سکتا ہے لیکن جو شکل اس زمانے میں رائج تھی وہ یہی تھی کہ لوگ یہ صدقہ جنس کی شکل میں ادا کرتے تھے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِیْ اٰخِرِ رَمَضَانَ : اَخْرِجُوْا صَدَقَۃَ صَوْمِکُمْ، فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذِہِ الصَّدَقَۃَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِیْرٍ اَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ عَلٰی کُلِّ حُرٍّ اَوْ مَمْلُوْکٍ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی صَغِیْرٍ اَوْ کَبِیْرٍ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) نے رمضان کے آخر میں یہ کہا کہ تم اپنے روزوں کی زکوٰۃ ادا کرو۔ یہ زکوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی ہے۔ اگر کھجوریں یا جو ہوں تو چار سیر ادا کرو۔ گیہوں ہوں تو دو سیر ادا کرو۔ ہر آزاد اور غلام، ہر عورت اور مرد، ہر بچے اور بڑے کے اوپر یہ زکوٰۃ واجب ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

زَكَاةُ الْفِطْرِ طُهْرَ الصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صدقۂ فطر مقرر کیا ہے ۔ یہ روزوں کو پاک کرنے کے لیے ہے۔ بیہودہ باتوں سے اور فحش کلام سے جو روزوں کے دوران میں ہوا ہو اور مساکین کی خوراک کا سبب ہے ۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام میں جو خیرات اور دوسرے صدقات مقرر کیے گئے ہیں ان کی روح یہ نہیں ہے کہ آپ ان صدقات کی ادائیگی کر کے غریبوں پر کوئی احسان کرتے ہیں یا ان پر انھیں آپ کا احسان مند ہونا چاہیے اور ان کی گردنیں آپ کے سامنے جھک جانی چاہئیں ۔ اسلام میں صدقہ وخیرات کا یہ تصور ہرگز نہیں ہے ۔ چنانچہ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ صدقہ فطر جو تم پر واجب کیا گیا ہے یہ دراصل خود تمہیں پاک کرنے کے لیے ہے ۔ لفظ زکوٰۃ خود بتارہا ہے کہ یہ زکوٰۃ فطر آپ کے نفس کو اور آپ کے مال کو پاک کرنے کے لیے عاید کی گئی ہے ۔ اگر یہ مال آپ نہیں نکالتے تو اس سے آپ کا نفس اور مال دونوں ناپاک ہوں گے ۔۔۔ چنانچہ جب تم صدقہ فطر ادا کرتے ہو تو وہ بھوکوں پر کوئی احسان کرنے کے لیے نہیں کرتے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ روزے کی حالت میں تم سے جو چھوٹے موٹے گناہ سرزد ہوئے جن سے تمہارا روزہ ناپاک ہو گیا تھا اور کسی بیہودہ کلام یا فحش بات یا کسی اور برائی یا لغزش کی وجہ سے تمہارے روزے ناقص رہ گئے تھے تو یہ صدقہ فطر تمہارے روزوں کی خامیوں کو رفع کرنے کا ایک سامان ہو گا ۔ یہ تمہارے عمل کو پاک کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور خود تمہاری اپنی بھلائی کا سبب ہے ۔

دوسری مصلحت اس کی یہ بھی ہے اور وہ خود بخود حاصل ہوتی ہے کہ عید کے روز کوئی مسلمان بھوکا نہ رہے ۔ اس طرح صدقہ فطر مساکین کی خوراک کا بھی ایک سامان ہے اور ہر صاحبِ نصاب پر اس کا ادا کرنا واجب قرار دیا گیا ہے ۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ اَوْ ثَعْلَبَةَ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ صُعَیْرٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: صَاعٌ مِنْ بُرٍّ اَوْ قَمْحٍ عَنْ كُلِّ اثْنَیْنِ صَغِیْرٍ اَوْ كَبِیْرٍ حُرٍّ اَوْ عَبْدٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی، اَمَّا غَنِیُّكُمْ فَیُزَكِّیْهِ اللّٰهُ وَاَمَّا فَقِیْرُكُمْ فَیَرُدُّ عَلَیْهِ اَكْثَرَ مِمَّا اَعْطَاهُ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

عبداللہ بن ثعلبہ یا ثعلبہ بن عبداللہ بن ابی صُعیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں (یہاں راوی کو یہ شک پیدا ہو گیا کہ یہ روایت ان دونوں صاحبوں میں سے کس کی ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گیہوں میں ایک صاع زکوٰۃ الفطر ہے ہر دو چھوٹے اور بڑے افراد کی طرف سے (یعنی دو سیر فی کس) خواہ وہ بچہ ہو خواہ بڑا، خواہ غلام ہو خواہ آزاد، خواہ مرد ہو خواہ عورت۔ تم میں سے جو غنی ہے اللہ تعالیٰ (اس صدقہ کی وجہ سے) اس کو پاکیزگی عطا کرے گا اور جو تم میں سے غریب ہے (اگر وہ اپنی غربت کے باوجود صدقۂ فطر نکالتا ہے) تو جو کچھ اس نے دیا ہے اللہ تعالیٰ اُس کو اس سے زیادہ دے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک غریب آدمی بھی اپنے اندر کچھ مقدرت محسوس کرتا ہو تو وہ یہ صدقہ نکال سکتا ہے۔ وہ یہ صدقہ اپنے سے زیادہ غریب آدمی کو دے سکتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اس کو جو کچھ اُس نے دیا ہے اس سے زیادہ عطا کرے گا۔

(تلاش و اقتباس از محمد یوسف صاحب لائبریرین)

غیبت ——— اسلامی تعلیمات کی رُو سے

جناب شبیر احمد نورانی صاحب

(۲)

غیبت سُننا ۔ اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی غیبت کرے تو شریعت کی نگاہ میں انتہائی قبیح اور گھناؤنا جرم ہے اسی طرح کسی کی غیبت سُننا بھی شرعاً حرام اور ناجائز ہے ۔ چنانچہ اس سلسلے میں کتاب وسنّت دونوں میں واضح ہدایات موجود ہیں ۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :

— وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۔ (المومنون : ۳)

(جو لوگ لغویات سے اعراض کرنے والے ہیں)

— وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ ۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ (الاسراء ۳۶)

(کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو، یقیناً کان، آنکھ اور دل ودماغ سب ہی کی باز پرس ہونی ہے)

— وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ

(القصص : ۵۵)

(اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سُنتے ہیں تو یہ کہہ کر اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال

تمہیں دُور سے ہی سلام ہے، ہم جاہلوں کا سا طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہتے)۔

۱۔ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر دریافت کیا، " مالک بن الخشم کہاں ہے"؟ ایک آدمی نے کہا " وہ منافق ہے اُسے اللہ اور رسولؐ سے کوئی محبت نہیں"۔ آپؐ نے فرمایا" ایسا مت کہو، تمہیں خبر نہیں کہ اس نے صرف اللہ کی رضا کے لیے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر اس آدمی پر آگ حرام کر دی ہے جس نے اس کی رضا کے لیے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا ہو"۔

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف غیبت کرنے والے بلکہ سننے والے کو بھی حکم دیا کہ وہ گدھے کی بدبودار لاش کھائیں کیونکہ جرم میں وہ دونوں برابر کے قصور وار ہیں۔

لہٰذا ایسے موقع پر ہر مسلمان کا فریضہ بن جاتا ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی عزت کا محافظ بن جائے اور حتی الوسع اپنے بھائی کا دفاع کرے جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث کی روشنی سے معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی عزت کا دفاع کیا، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے کہ اُسے آگ سے بچا لے۔

(مسند احمد)

۲۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اپنے بھائی کی عزت کا دفاع کیا اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کے چہرے سے آگ دُور کر دے گا۔

(ترمذی)

۳۔ حضرت جابر بن ابی طلحہ الانصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی حمایت ایسے موقع پر نہیں کرتا جہاں اس کی تذلیل کی جارہی ہو اور اس کی عزت پر حملہ کیا جارہا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی حمایت ایسے موقع پر نہیں کرتا جہاں وہ اللہ کی مدد کا خواہاں ہو۔ اور اگر کوئی شخص کسی مسلمان بھائی کی حمایت ایسے موقع پر کرتا ہے جہاں اس کی عزت پر حملہ کیا جارہا ہو اور اس کی تذلیل و توہین کی جارہی ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد ایسے موقع پر کرتا ہے جہاں وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے۔"

(ابوداؤد)

غیبت کرنے والے کا انجام حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ اور ایک دوسرا آدمی آپ کی بائیں طرف تھا۔ اچانک ہمارے سامنے دو قبریں آگئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور یہ عذاب انہیں ایسی باتوں کی وجہ سے ہو رہا ہے جو بظاہر بہت بڑی نہیں ہیں مگر اللہ کے ہاں عذاب کے لحاظ سے وہ بہت بڑی باتیں ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم میں سے کون ہے جو ایک شاخ لے کر آئے گا۔ ہم دونوں شاخ لینے کے لیے دوڑے اور میں آگے نکل گیا اور ایک شاخ لے کر آیا۔ آپ نے اسے دو ٹکڑے کیا۔ اور ہر قبر پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا اور فرمایا: "جب تک یہ تر و تازہ رہیں گی ان کو کم عذاب ملے گا" اس کے بعد آپ نے فرمایا" ان میں سے ایک کو غیبت کرنے کی وجہ سے اور دوسرے کو پیشاب کے چھینٹوں سے احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔"

اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور بعض دیگر کتب میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔ تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا جس کے پاس مال و متاع نہ ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا" میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز روزہ کے ساتھ خدا کے حضور حاضر ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے دنیا میں، کسی کو گالی دی ہوگی،

کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ چنانچہ اس کی ساری نیکیاں ان میں سے ہر شخص کو اس کے حق کے مطابق بانٹ دی جائیں گی۔ اور اگر حقوق ختم ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان کی برائیاں لے کر اس کے ذمے ڈال دی جائیں گی۔ اور پھر اسے آگ کے حوالے کر دیا جائے گا"۔

(صحیح مسلم ۔ الترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی۔ آپ نے ایک ایسے گروہ کو آگ میں جلتے دیکھا جو بدبودار لاشیں کھائے جا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا "جبریل علیہ السلام! یہ کون ہیں"۔ انہوں نے کہا "یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبتیں کرتے تھے"۔

(مسند امام احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب مجھے معراج ہوا تو میں ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرا، جن کے ناخن تانبے کے تھے۔ اور اپنے سینوں اور چہروں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا! "جبریل یہ کون ہیں"؟ انہوں نے کہا "یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے (غیبت کرتے تھے) اور ان کی عزت پر حملہ آور ہوتے تھے۔

(ابوداؤد)

غیبت کا کفارہ اگر کسی مسلمان سے اپنے بھائی کی غیبت سرزد ہو جائے تو اس کا کفارہ حسب ذیل ہوگا۔

۱۔ جس آدمی کی غیبت ہوئی ہے اور وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے تو غیبت کرنے والا اس کے حق میں اس قدر استغفار کرے کہ اس کا دل مطمئن ہو جائے کہ میں نے اپنے بھائی کی حق رسی کر دی ہے۔ اور اگر وہ زندہ ہے اور یہ ممکن ہے کہ اس سے معذرت کر لی جائے تو غیبت کرنے والا اس سے معذرت کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: "جس کسی کے ذمے اس کے بھائی کا حق ہو وہ اسے اُس دن سے پہلے معاف کروالے جس دن نہ کوئی دینار ہوگا نہ درہم ۔ وہاں اس حق کے بدلے میں اس سے اس کی نیکیاں لے لی جائیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوئیں تو دوسرے کی بُرائیاں اُسے سونپ دی جائیں گی"۔

(بخاری و مسلم)

یہاں یہ گزارش کرنا ضروری ہے کہ جس طرح غیبت کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اس بھائی سے، جس کی اس نے غیبت کی ہو، اپنے اس جرم کی معافی مانگے ۔ وہاں اُس آدمی کے لیے بھی، جس کی غیبت کی گئی ہو، یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اس بھائی کو، جو اُس کے ساتھ زیادتی کے بعد اُس سے معافی مانگنے آیا ہے، معاف کر دے ۔ قرآن و حدیث دونوں میں اس بات کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔

چنانچہ سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ (الاعراف: ۱۹۹)

"نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ اُلجھو"۔

سورۂ آل عمران میں بندۂ مومن کی اللہ تعالیٰ نے یہ صفت بیان فرمائی ہے:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۳۴)

"جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں، ایسے نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ بہت پسند کرتا ہے"۔

سورۃ الشوریٰ میں ارشاد ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ ۝

(الشوریٰ: ۴۳)

"اور جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کرے تو یہ بڑی اولوالعزمی کے کاموں میں سے ہے۔"

سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو معاف کرنے کو اپنی طرف سے معافی کا ذریعہ اور سبب قرار دیا۔

وَ لْيَعْفُوْا وَ لْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ (النور: ۲۲)

"انہیں چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے۔ اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے۔"

قرآن مجید کی طرح احادیث میں بھی عفو و درگزر پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ یہاں پر نمونے کے طور پر چند احادیث دی جا رہی ہیں:

— حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ انکساری سے کام لوں۔ تم میں سے کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر فخر جتلائے۔

(مسلم)

اور اس سلسلہ میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ تھی:

— آپ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ البتہ حدود اللہ کی خلاف ورزی کرنے پر محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ضرور سزا دی ہے۔

(بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا، بندہ اگر معاف کرے تو اللہ تعالیٰ اسے مقامِ عزت عطا کرتا ہے۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے انکساری کی اللہ تعالیٰ اس کا مقام بلند فرماتا ہے۔" (مسلم)۔ اسی مفہوم کی حدیثیں متعدد دوسری کتب میں بھی موجود ہیں۔

غیبت کا جواز صرف اضطراری حالت میں | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت صرف اضطراری حالت میں جائز ہے یعنی جب شرعاً اس کی ناگزیر صورت ہو اور یہ ضرورت اس کے بغیر پوری نہ ہو سکتی ہو، لہٰذا محدثین کرام نے ایک مسلمان کے لیے اضطراری حالات میں غیبت کی حسب ذیل شکلیں جائز قرار دی ہیں:

۱۔ جب ایک مظلوم اپنی شکایات ظالم کے خلاف عدالت یا حاکم کے سامنے پیش کر رہا ہو۔

۲۔ جب وہ بغرض اصلاح کسی فرد یا ادارے کی شکایات کسی ایسے فرد یا ادارے کو کر رہا ہو، جو اس کی اصلاح کر سکتا ہو۔

۳۔ مفتی کے سامنے بغرض فتویٰ صورتِ مسئلہ پیش کر رہا ہو۔

۴۔ جب وہ حدیث کے راویوں، مقدمہ کے گواہوں یا اہلِ تصنیف و تالیف کی کمزوریوں کا ذکر کرتے ہوئے مسلمانوں کو ان سے بچنے کی تلقین کر رہا ہو۔

اسی طرح رشتے ناطے کے مشورے، کاروباری معاملے، امانتوں کے بارے میں اعتماد کی خاطر کسی کے بارے میں نامناسب بات کرنا بھی شامل ہے۔

۵۔ ان لوگوں کے خلاف آواز بلند کرنا جو فسق و بدعت علی الاعلان کر رہے ہوں اور ان کی وجہ سے معاشرے کا دینی معیار تباہ ہو رہا ہو۔

۶۔ افراد کا ایسا نام لینا جس سے وہ مشہور ہوں اگرچہ الفاظ نامناسب ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسے اعمی (اندھا)، اعمش (بھینگا)، اعرج (لنگڑا) وغیرہ۔

اضطراری حالات میں غیبت کے جواز کی ان صورتوں کے لیے مندرجہ ذیل احادیث نبوی سے استدلال کیا گیا ہے:

۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے کی اجازت چاہی ۔۔۔ آپ نے ارشاد فرمایا آنے دو، مگر وہ اپنی قوم کا بدترین فرد ہے۔ (بخاری و مسلم)

۲ — ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فلاں فلاں آدمی ہمارے دین کو بالکل نہیں سمجھتے"۔
(بخاری)

۳ — حضرت فاطمہ بنت قیس کہتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ ابوالجہم اور معاویہ رضی اللہ عنہما نے مجھے پیغام نکاح بھیجا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، معاویہؓ تو غریب آدمی ہے اور ابوالجہم کی لاٹھی ہمیشہ کندھے پر ہوتی ہے (یعنی وہ بہت مارتا ہے یا بہت سفر کرتا ہے)۔

۴ — حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ابوسفیان کی اہلیہ "ہند" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہے، وہ اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کے لیے پورا ہو، الّا یہ کہ از خود بلا اطلاع لے لوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ مناسب طریقے سے جتنا تجھے اور تیری اولاد کے لیے پورا ہو لے لیا کرو"۔ (بخاری ومسلم)

مسلمان بھائی کی خیر خواہی کا حقیقی تقاضا

غیبت کا باعث عام طور پر کسی بھائی سے ذاتی رنجش یا اُس کی کسی شرعی خلاف ورزی کی بنا پر دینی حمیت ہوتی ہے۔ لہٰذا بجائے اس بھائی کی غلطی کو نامناسب طریقے سے اچھالنے کے (جس سے غلطی اور بُرائی کو تشہیر بھی ملے اور بھائی کی عزت بھی جائے) مناسب اور بہتر یہ ہے کہ اس سے براہِ راست رابطہ قائم کرکے وضاحت طلب کی جائے۔ اگر غلط فہمی ہوگی، تو ازالہ ہو جائے گا اور اگر واقعتاً اس سے خطا سرزد ہوئی ہے تو اُس کو بہتر اور مناسب طریقے سے توجہ دلائی جائے وہ یقیناً اس پر شرمسار ہوگا۔ اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے معذرت چاہے گا۔ اگر کسی وجہ سے رابطہ ممکن نہ ہو تو کسی دوسرے صاحب اثر مسلمان بھائی کے ذریعے اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے، خیر خواہی کا بھی یہی تقاضا ہے۔ خیر القرون سے دو مثالیں ملاحظہ فرمائیں اور خالی الذہن ہو کر ان پر غور فرمائیں۔

حضرت ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان کسی بات پر تکرار ہوگئی۔ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ سے ناراض ہو کر چلے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ ان کے

پیچھے معذرت کے ارادے سے گئے، لیکن انہوں نے معذرت قبول نہ کی بلکہ دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابوالدرداءؓ کا بیان ہے کہ ہم اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو دیکھتے ہی ہم سے فرمایا: "تمہارا یہ ساتھی نیکی میں آگے بڑھ گیا ہے"۔ حضرت عمرؓ کو بھی اپنے کیے پر شرمساری ہوئی۔ وہ بھی آپؐ کی خدمت میں آئے، سلام کیا اور آپؐ کے پاس بیٹھ کر سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ آپؐ غصے میں آ گئے، جبکہ حضرت ابو بکرؓ مسلسل یہ کہے جا رہے تھے، اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بخدا قصور میرا زیادہ ہے۔ آپؐ نے تکرار فرمایا "کیا تم میرے ساتھی سے درگزر نہیں کر سکتے"۔ اس نے میرا اس وقت ساتھ دیا جب تم نے جھٹلایا تھا۔ ... الخ (رضی اللہ عنہم اجمعین) (بخاری کتاب التفسیر)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو صحابہؓ کو شدید صدمہ ہوا حتیٰ کہ بعض تو بالکل پریشان حال ہو گئے۔ میرا حال بھی یہی تھا۔ میں اسی حال میں تھا کہ حضرت عمرؓ گزرے اور سلام کیا جس کی مجھے قطعاً خبر نہ ہوئی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے پاس شکایت کی۔ پھر وہ دونوں میرے پاس آئے اور سلام کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا کیا بات تھی کہ تم نے اپنے بھائی عمرؓ کے سلام کا جواب نہیں دیا"۔ میں نے کہا "میں نے تو ایسا نہیں کیا"۔ حضرت عمرؓ نے جواباً کہا: "بخدا تم نے ایسا ہی کیا ہے"۔ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا "مجھے آپ کے گزرنے اور سلام کرنے کی قطعاً خبر نہیں"۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا: عثمان تو سچ کہتا ہے ہاں تجھے اس اہم معاملے نے (وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے بے خبر کر دیا تھا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ مسند الامام احمد)

آخری گزارش | قارئین کرام! اس ساری بحث میں کوشش یہی کی گئی ہے کہ آیات مبارکہ اور سنت ثابتہ کو من و عن بلا تبصرہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے تاکہ آپ علیٰ وجہ البصیرۃ اس پر صدق دل سے عمل کر سکیں۔ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ پروردگار! ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی عطا فرما اور آگ کی سزا سے محفوظ کر دے۔ آمین یا رب العلمین

کچھ "لہو الحدیث" کی گذشتہ بحث سے متعلق

ایک خط اور اس کا جواب

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

(۱)

برادر محترم نعیم صدیقی صاحب ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

اپریل ۱۹۸۶ء کے ترجمان القرآن میں "لہو الحدیث" کی تشریح و وضاحت کرتے ہوئے آپ کے لب و لہجہ میں حسرت و یاس کی کیفیت نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔

لہو الحدیث کے بارے میں آپ کی وضاحت درست ہے، آپ کا موقف صحیح ہے۔ آپ کی دلیل مؤثر ہے "حدیث دلبراں" کو جو درحقیقت دعوت و تبلیغ کی بات ہی ہے۔ افسانہ و ناول کے پیرایۂ دل پذیر میں "حدیثِ دیگراں" بنا کر پیش کرنے کا آپ کا استدلال بھی بے حد معقول ہے۔ اسلامی تحریک کے لیے ادب کی قوتِ فکری دعوت کے نفوذ و توسیع میں کس درجہ مؤثر کردار ادا کرتی ہے اسے بھی آپ نے بہت اچھی طرح کھول دیا ہے لیکن میرے لیے سب سے بڑی دلدوز چیز آپ کا وہ لہجہ ہے جس میں حسرت و یاس کا رنگ جھلک گیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے:

"میں نے ایک لمبا دور دعوتِ اسلامی اور تحریک اسلامی کے ساتھ گذار کر یہی اندازہ کیا ہے کہ ادب کو ہمارے حلقوں میں کوئی وقعت حاصل نہیں ہے۔ ادبی کام کرنے والوں کا کوئی مقام نہیں ہے۔ اگر کچھ دوست ادب سے دلچسپی دکھاتے ہیں تو زیادہ تر مروۃً اور وہ بھی سرسری یا ابائی دی ہے)

اس سلسلے میں جو نسکا نے کی کوششیں کی گئیں، مگر دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام رہا۔ اب مجھے یہی تشویش ہے کہ کچھ عرصہ بعد اس پسپائی کا احساس ہوگا جو ادبی کام کی کوتاہی کی وجہ سے غیر محسوس طور پر واقع ہو رہی ہے۔ آخر ایک نہ ایک دن اس کی تلافی کا جذبہ بیدار ہوگا۔"

میں آپ کو تحریکِ اسلامی میں اسلامی ادب کی تحریک کا سالارِ کارواں سمجھتا ہوں۔ آپ نے اسلامی ادب کی اس وادیٔ پُرخار میں جہاں انسانی قدموں نے راستے متعین نہ کیے تھے، سب سے پہلے راستے بنائے اور تجربات کیے۔ افسانے کا اسلامی تصور کیا ہے؟ شعر و سخن کو لہو الحدیث بن جانے سے کیسے بچایا جا سکتا ہے؟ افسانہ و ناول کی اصناف کو اخلاقی اقدار کے فروغ کے لیے کیسے استعمال کیا جا سکتا ہے؟ اور شعر و ادب اسلامی تحریک کا دلپذیر ہتھیار کیسے بن سکتے ہیں؟ آپ نے عمر بھر ان راہوں کو اپنے عمل سے ہموار و استوار کیا ہے۔ آپ نے زندگی کی ادبی راہگذر پر جو چراغ اپنے خونِ جگر سے روشن کیا تو اس سے باطل نظام کی اندھیری رات میں بے شمار نشان ہائے راہ متعین ہوئے اور اسلام کے جہانِ نَو کا تصور نوجوانوں کے لیے اُجاگر ہوا۔ آپ نے افسانہ، ناول، طنز، نظم، غزل، ڈراما، غرض ہر صنفِ ادب میں اسلامی ادب کے ماڈل تیار کیے جن سے کتنے ہی لکھنے والوں کو اسلامی ادب کا شعور حاصل ہوا۔ آپ کی اس جگر کاری سے نئے لکھنے والوں کی کھیپ کی کھیپ تیار ہوئی۔ آج اشتراکی ادب کے علمبردار جو ہمارے ہاں نام نہاد "ترقی پسند" کہلاتے ہیں۔ اب بالآخر ان کے ہاں بھی صنفِ نعت نے جگہ پالی ہے اور جو لوگ صرف لینن اور سٹالن کی مدح میں لکھتے تھے وہ اب محسنِ انسانیت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نعت بھی لکھنے لگے ہیں۔ باطل کو میدان سے مکمل طور پر باہر دھکیلنا تو اس دُنیا کی ترتیب و تخلیق کی غایت اور حکمت کے خلاف ہے۔ لیکن اسے کارِ نَو کر کے اپنی بولی اسی کی زبان سے بھی کہلوا لینا ایک بہت بڑی فتح ہے جو آپ نے حاصل کی ہے۔

ہماری ادبی تحریک کے اس چالیسویں سال میں بھی اپنے حلقۂ تعارف کے اندر

افسانہ و ناول و شعر کے بارے میں جائز و ناجائز کی بحث سے آپ بہت آزردہ ہیں لیکن میں عرض کروں کہ ایک خصوصی مذہبی پس منظر کے ساتھ یہ بحث بالکل ایک فطری امر ہے۔ مذہب کا جو تصور ہمارے انحطاط زدہ مسلم معاشرے میں دورِ ملوکیت سے رائج چلا آتا ہے وہ تصور زندگی میں مذہب کو صرف مسجد و محراب تک ہی محدود کرتا ہے۔ اگر یہ تصور مسلمان قبول نہ کرتے تو ان کی باطل سے سازگاری کے بجائے مسلسل جنگ رہتی جو ان کے معاشرے میں خلافتِ راشدہ کے بعد سے پیہم غلبہ حاصل کر رہا تھا۔ اہلِ دین نے بلاشبہ ابتداء میں نفوذِ باطل کی زبردست مزاحمت کی، لیکن ملوکیت کے زبردست جبر و استبداد نے بالآخر دینی اقدار و تصورات کو مسجد و محراب تک سمٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ اور جب دینِ اسلام، حکومت کے ایوان، معیشت کے چیمبر، عدالت کی مسند، اور مقننہ کی مجلس سے نکل کر صرف مدرسہ تک ہی محدود ہو گیا تو اس کا ادب و ثقافت بھی پکی روٹی، قدوری، بیضاوی اور بہشتی زیور ہی رہ گیا۔ بس یہی اس کی ضرورت اور یہی اس کا نصاب اور کل اثاثہ رہ گیا۔ مسجد کی محراب میں محدود ہو کر اس کے پاس صرف ذکر و اذکار اور اوراد و وظائف ہی رہ سکتے تھے۔ باقی ساری دُنیوی زندگی تو اس کے دائرے سے آزاد ہو گئی تھی۔ یوں دینِ اسلام اسلامی تحریک کے ہمہ گیر و وسیع الاطراف مقامِ غلبہ سے اُتر کر "مذہب اسلام" کے روپ میں محدود ہو گیا۔ مسلمانوں کے پاس قرآن و سنت، اُسوۂ رسولِ اکرم اور صحابہ کرام کی درخشاں زندگیوں کی صورت میں بلاشبہ دینِ اسلام کا حقیقی روپ علم کی صورت میں کتابوں میں محفوظ رہا، لیکن غلبۂ باطل میں جس قدر دینِ اسلام سے ہٹ کر عمل کی صورت میں بچ سکا۔ بس وہ اسی قدر ہے جس سے باطل کو کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اسلام کے اسی موجودہ منجمد اور محدود روپ کو مسلمانوں کی موجودہ مذہب پسند نسلیں جانتی اور اپنے چاروں طرف موجود دیکھتی ہیں اور ان کے علم و خیال میں یہی کل اسلام ہے۔ یہ اسلام گذشتہ چند صدیوں سے مدرسہ و مسجد میں ہی محبوس چلا آ رہا ہے۔ جہاں شعر کا داخلہ ممنوع، افسانہ جھوٹ، ناول لہو الحدیث، اور ڈرامہ بھانڈ گری کا نام ہے۔

اس ماحول میں اسلام کا دلدادہ دیندار مسلمان زیادہ سے زیادہ مسجد میں آنے والوں پر یہ نگاہ رکھنا ہے کہ کسی کی کہنی ننگی نہ ہو تاکہ اس کی نماز مکروہ نہ ہو۔ کسی کی ڈاڑھی بقدر قبضہ سے کم نہ ہو، کسی کا انگوٹھا نمازیوں کی صف کی لکیر سے ذرا آگے یا پیچھے نہ ہو، اور کون یا رسول اللہ کا قائل ہے اور کون نہیں ہے؟ آٹھ تراویح کا کون قائل ہے اور بیس تراویح کا علمبردار کون ہے؟ کس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے اور کس کے پیچھے نہیں ہوتی؟ کون ننگے سر نماز پڑھ رہا ہے اور کون رفع یدین کر کے وہابی بن گیا ہے؟ تاکہ اسے اپنی مسجد سے نکالا جائے۔ اور کسے صحابہ کا گستاخ قرار دیا جا سکتا ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک نوری تھا یا بشری تھا؟ آپ کی حیات و ممات کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت مسیح مصلوب ہونے سے پہلے زندہ اٹھا لیے گئے تھے یا تین دن بعد اٹھائے گئے تھے؟ امام مہدی کب آئیں گے؟ اور کیسے ہوں گے؟ کون کافر ہے اور کون کافر نہیں ہے؟ علامہ اقبال نے اسلام بلا اقتدار کے دور میں جو مسائل مسلمانوں میں پیدا ہوتے ہیں ان کا نقشہ ابلیس کی مجلسِ شوریٰ کے ایک ممبر کی زبان سے ان الفاظ میں پیش کیا ہے ؎

ابن مریم مر گیا یا زندۂ جاوید ہے
ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جدا یا عین ذات
آنے والے سے مسیحِ ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات
کیا مسلماں کے لیے کافی نہیں اس دور میں
یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات

غرض مدرسہ و مسجد کے اسلام کی اصطلاحات، موضوعات، معقولات سب مخصوص اور اس کی ضروریات محدود ہیں، نہ کہ اس نے کسی کو اپنے دائرے میں داخل کی دعوت دینی ہے، نہ کہ اس کی سر دردی کفار میں جا کر دعوتِ اسلامی کو پھیلانا ہے۔ نہ کہ اس کے پیشِ نظر کفار کے غلبہ کو ختم کر کے اپنے توحید والے تصورِ خدا کی حاکمیت کو نافذ کرنا ہے۔ اس مروجہ محدود تصورِ اسلام میں خلقِ خدا کے سامنے ہر سطح پر اور ہر سمت سے دعوتِ اسلامی پیش کرنا پیشِ نظر ہی نہیں ہے۔ اس لیے یہاں اسلامی دعوت کی مختلف سیرتوں

اور طریقوں کو آزمانے، انسانی نفسیات کو متاثر کرنے اور اسلام کا تحریکی تصور پیش کر کے مسلمانوں کو غلبۂ اسلام پر آمادہ کرنے کا سوال ہی موجود نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ دعوتی اور تحریکی اسلام اور نسلی فقہی اور روایتی اسلام میں یہی بنیادی فرق ہے اس لیے نسلی اسلام کو کسی دعوتی ہتھیار کی ضرورت نہیں ہے اس کے لیے تو داخلی طور پر فرقوں کی گرم بازاری ہی بہت کافی ہے۔

مولانا مودودی مرحوم نے جب اسلام کا دعوتی اور تحریکی تصور پیش کر کے مسلمانوں کو اس کے غلبہ کے لیے جمع ہونے کی دعوت دی تو فطری طور پر سب سے پہلے مذہبی طبقہ نے ہی کھنچ کر اُدھر آنا تھا۔ اسلام کے غلبہ کا تصور یا دورِ خلفائے راشدین کے احیاء کا حسین و جمیل تصور نو خیال سطح پر ہر مسلمان کو اپیل کرتا ہے۔ لیکن عملی زندگی میں رواجی مذہبی طبقے سے آنے والوں کا ذہنی اور روایتی پس منظر فقہی موشگافیوں کا ہی عادی ہوتا ہے۔ فرشتہ بھی فقہی دائرے میں ہی بنتے ہیں۔ یہ فقہی ذہن جہاں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کے جواز و عدم جواز اور تصویر کے حلال و حرام پر بحث کرتا ہے وہاں وہ ادب کے مذہبی مقالات سے ہٹ کر افسانہ، شعر، ڈرامہ اور ناول کے جواز اور عدم جواز اور جائز و ناجائز کے بارے میں بھی بحث کرتا ہے۔ یہ بحث تو رواجی تصورِ اسلام کی فطری بحث ہے اور جب تک ان حضرات کا جدید علوم اور ان کی افادیت و ضرورت کے بارے میں ذہن صاف نہ ہو یہ بحث جاری رہے گی۔ چاہے نصف صدی بھی کیوں نہ گذر جائے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ تحریک کے داعی نے صرف مقالات کے ذریعے ہی اپنے دینی تصورات کو پیش کیا۔ چنانچہ ان سے متاثر ہونے والا ہر شخص مذہبی مقالات کے جواز کو تو صنفِ ادب کے طور پر خوب سمجھتا ہے۔ لیکن دیگر اصنافِ ادب کے بارے میں اس کے ذہن میں شبہات کا موجود ہونا فطری امر ہے۔ اس لیے کہ ہر شخص تو اجتہادی فکر کا مالک نہیں ہوتا۔

تیسرا پہلو یہ ہے کہ موجودہ اسلامی دعوت کا دور بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت شعر و ادب کی اصناف پر نام نہاد ترقی پسند اشتراکی تحریک

کا قبضہ تھا۔ چونکہ مسلمانوں کے معاشرے میں اشتراکیوں کے لیے مسلمانوں کو الحاد کی براہ راست دعوت دینے کا کوئی موقع نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ خدا کا انکار، الحاد کا پرچار، رسالت کا انکار، مستقل اخلاقی قدروں کا انکار، زندگی کے اعمال کے تعین میں آخرت کے تصور کا انکار یہ سب باتیں اگر مقالات میں براہ راست کہی جائیں تو مسلمان معاشرہ انہیں کبھی قبول نہ کرتا۔ اس لیے اشتراکیت کے داعیوں نے مسلمان معاشرے کو متاثر کرنے کے لیے ایک طرف صرف نوجوانوں کو نشانہ بنایا جو سادہ دل، علم دین سے بے خبر اور جذباتی ہوتے ہیں تو دوسری طرف اشتراکی دعوت کو براہ راست پیش کرنے کے بجائے شعر و ادب، ڈرامہ و ناول کو اس کا ذریعہ بنایا تاکہ پہلے بالواسطہ اور تدریجی خوراکیں دے دے کر مسلمان نوجوانوں میں اشتراکیت کو زود ہضم بنایا جاسکے۔ یہ ان کی تبلیغ کی حکمت تھی۔ ان کا یہ دور ۱۹۳۶ء سے لے کر آج تک پھیلا ہوا ہے اور تقریباً انہوں نے اس فیلڈ پر مکمل قبضہ کیا ہوا ہے۔ ان کے وجود نامسعود نے دینداروں کی نظر میں شعر و ادب کو بھی مشتبہ بنا دیا ہے۔

ظاہر ہے کہ ادب کی ان اصناف کی حیثیت بھی اسلحہ کی سی ہے۔ اگر وہ دشمن کے ہاتھ میں ہے تو اس کا کام کرتا ہے اور اگر دوست کے ہاتھ میں ہے تو وہ دوستی نبھاتا ہے۔ جب دعوتِ اسلامی کے مخاطبین نے دعوت سے متاثر ہوتے ہی ان اصنافِ ادب کو دشمن کے ہاتھ میں دیکھا تو ان سا یہی تصور بن گیا کہ شاید ان اصناف کا مزاج ہی غیر اسلامی اور غیر اخلاقی ہے۔ حالانکہ ہتھیار کبھی غیر اسلامی نہیں ہوتا اس کا استعمال غیر اسلامی ہو سکتا ہے۔

اس بحث میں دل شکنی کا ایک پہلو جدید تعلیم گاہوں میں دعوتِ اسلامی سے متاثر نوجوانوں کا طرز عمل بھی ہے۔ وہ بھی نوجوان ہونے کے باوجود ان اصنافِ ادب سے اجتناب کرتے اور اس مؤثر ہتھیار کو دعوتِ اسلامی کے لیے استعمال کرنے کی حقیقی ضرورت سے بے نیاز اور شاید بے خبر بھی ہیں۔ ان کے تیار کردہ لٹریچر میں بھی تمام تر مقالاتی لٹریچر ہی ہے اور وہ دیگر اصنافِ ادب کا اگر ذوق بھی رکھیں تو اس کے لیے استفادہ

ترقی پسند ادیبوں یا ادب برائے ادب کا نظریہ رکھنے والے ادیبوں سے ہی کرتے ہیں۔ خود اپنے اندر سے ایسے افراد تیار کرنے اور ایسا لٹریچر تیار کرنے کی کوشش نہیں کرتے جو پاکیزہ ہو۔ میرا خیال ہے کہ ان کے ہاں بھی ان اصنافِ ادب کے خلاف نادانستہ طور پر روایتی نوعیت کی رکاوٹ موجود ہے۔ ایک آدھ دفعہ میں نے توجہ دلائی ہے کہ ان کے اندر ان اصناف سے گریز کا پہلو واضح طور پر موجود ہے۔

یہ سارا پس منظر اسلامی دعوت کے میدان میں مقالے کے علاوہ دیگر اصناف سے استفادہ کرنے میں رکاوٹ اور جھجک کا باعث بن رہا ہے۔

جس طرح غیر فعال غیر انقلابی منجمد مذہب کی روایتی چٹانوں کو آپ نے پیہم تحریکی ضربات سے توڑا۔ نظامِ اسلامی کا نعرہ بلند کیا۔ اور دعوتِ اسلامی کا چشمۂ صافی بہایا ہے۔ اسی طرح مایوس ہوئے بغیر دیگر اصنافِ ادب کے لیے اسلامی تحریک سے گنجائش پیدا کرنے کا کام ایک مسلسل جدوجہد کے ذریعے ہی ہوگا۔ اور آپ یہ فرض ادا کر ہی رہے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک خوش آئند پہلو بھی ہے یعنی ان رکاوٹوں کے باوجود تحریک اسلامی سے وابستہ خواتین کا ذہن اس مسئلے میں بالکل صاف ہے۔ ان کے جرائد میں تحریک کے لیے تفریحی ادب کا وافر ذخیرہ سامنے آتا رہتا ہے۔ عام طور پر بھی گذشتہ برسوں میں بتدریج انفرادی سطح پر یہ کام ہوتا رہا ہے۔ اگرچہ اس میں کسی منظم تحریک کا دخل نہیں رہا۔ لیکن صالح ادبی افکار مسلسل عمل کی صورت میں ڈھلتے رہے اور شعر، افسانہ و ناول تیار ہوتے رہے ہیں۔ خواتین میں سلمیٰ یاسمین نجمی کا کام اور مردوں میں خود آپ کا اور بعض دوسرے اصحابِ فن کا کام جو جریدہ سیارہ کے ذریعے آتا اور جمع ہوتا رہا ہے خاصا وقیع ہے اور وافر بھی۔ میرا خیال ہے کہ اگر کوئی ریسرچ سکالر گذشتہ ربع صدی میں اسلامی ادب کے میدان میں شعر و افسانہ، ناول و ڈرامہ کی اصناف پر ریسرچ کرے تو کتب و رسائل کی کافی طویل فہرست تیار ہو سکتی ہے جس پر آپ کا دل مسرت محسوس کر سکتا ہے۔

اگر ادب میں اسلامی اقدار کو تسلیم کرنے والے اپنے لیے ایک مستقل ترجمان کا اہتمام کر سکتے۔ ایسے لٹریچر کا تعارف ہوتا۔ ایسے ادیبوں کے کام کا تعارف ہوتا اور ایسے ادب کی کتابی صورت میں اشاعت ہوتی تو آپ کو ادب کا یہ میدان دور دور تک سرسبز دکھائی دیتا۔

کیا اسلامی تحریک کے کارکنوں کو افسانہ و ادب و ناول کی اثر آفرینی کا ثبوت اس سے زائد بھی کوئی درکار ہے کہ جو طبقاتی احساس مسلمانوں کے اندر پیدا کرنے اور ان میں طبقاتی کشمکش اور تصادم پیدا کرنے کی کوشش اشتراکی ادیب گذشتہ نصف صدی سے کرتے رہے ہیں آج ان کی محنت کا رنگ آپ کے سامنے موجود ہے۔ انہوں نے اس طبقاتی احساس کو عوامی رنگ دے کر پیپلز پارٹی کی صفوں کو اپنے مطلوب کرداروں سے بھر دیا ہے۔ ان ادیبوں نے طبقاتی نعرے لگانے والے کارکن پیپلز پارٹی کو فراہم کیے ہیں۔ ان ادیبوں کا کیا ہوا کام ضائع نہیں ہوا ہے۔ جو اخلاق انہوں نے پیدا کرنے کی کوشش کی تھی وہ اخلاق اب پیپلز پارٹی کی صفوں میں پوری طرح دیکھا جا سکتا ہے۔ جو مادی قدریں انہوں نے اُبھاری تھیں وہ قدریں روٹی، کپڑا، مکان کے نعروں میں مربوط دیکھی جا سکتی ہیں۔ جو حسد و بغض، جلن اور کڑھن کے طبقاتی بیج انہوں نے بوئے تھے وہ آج پیپلز پارٹی کے لیڈروں اور کارکنوں کی گالیوں میں تناور درخت بنے ہوئے اپنے زہریلے پھل معاشرے کو دے رہے ہیں۔ افسانہ و ناول اور شعر و ڈرامہ کی اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اشتراکی سیاسی تحریک تو سیاسی میدان میں چار قدم بھی آگے نہ چل سکی تھی۔ یہ سارا کام تو اشتراکی ادیبوں کا ہی کیا ہوا ہمارے سامنے ہے۔

بہرحال ہمارے معاشرے میں اشتراکیوں نے مقالات کے ذریعے اپنی دعوت پیش کرنے کی بجائے شعر، افسانہ و ناول کو جو ذریعہ بنایا تو اس کی اثر پذیری آج سب کے سامنے ہے۔ آج وہ اپنی نظریاتی تفریحی، اشتراکی ادبی تحریک کی گولڈن جوبلی منا رہے ہیں۔ اور حقیقتاً ان کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ ان کا کیا ہوا کام معاشرے میں ایسا رنگ لایا ہے کہ جس معاشرے میں مسلمان اپنے مسلمان بھائی پر طرابلس اور ترکی میں بھی ظلم ہو تو تڑپ

اٹھتے تھے وہاں اُن کا ادب پر قبضہ اس درجے کا ہوا ہے کہ ویت نام میں اشتراکی نظریات کے حق میں کوئی جنگ آزما ہو تو پاکستانی ادیب اس پر تڑپ اٹھتے ہیں اور شعر و ادب سے ویت نام کے لوگوں کو زندۂ جاوید بنا دیتے ہیں اور ویت نام کے مظلوموں کے دکھ پر آنسوؤں کے دریا بہا دیتے ہیں۔ لیکن اگر افغانستان میں خود روس مسلمانوں پر حملہ آور ہوتا ہے اور وہاں کے مسلمان بچوں پر کھلونوں کے بم پھینکتا ہے، چالیس لاکھ مسلمانوں کو بے گھر کرتا ہے۔ دس لاکھ مسلمانوں کو دنیا کے سامنے ذبح کر دیتا اور کھلم کھلا پُرامن نہتی مسلمان بستیوں پر بمباری کرتا اور برسوں کرتا چلا جاتا ہے تو مسلمان معاشرے کے اشتراکی ادیبوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی، نہ اُن کی آنکھ افغان مسلمان بیوہ کے دکھ پر نم ہوتی ہے اس لیے کہ اُسے ان کے محبوب روسی بم نے بے گھر کیا۔ اور اس کے شوہر کو ان کے محبوب روسی سپاہی نے شہید کیا ہے۔ ان کی زبانیں گنگ اور ان کے قلم زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اُلٹا وہ یہ مطالبہ اٹھاتے ہیں کہ ان بے گھر مظلوم مسلمانوں کو واپس روسیوں کے ٹینکوں کے سامنے دھکیلا جائے تاکہ اُن کی ہڈیوں پر وہ ٹینک دوڑا سکیں۔ ان کا مطالبہ ہے کہ پاکستان خود جا کر روس کی کٹھ پتلی ببرک کارمل سے معانقہ اور مصافحہ کرے اور اس سے روس کی غلامی میں جانے کا نسخہ معلوم کرے۔ اس سے زیادہ تیرہ بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اب خود مسلمانوں میں سے اپنی ضرورت کے لوگ روس کو مل رہے ہیں، جو مسلمانوں کو اس کی غلامی میں براہ راست دھکیلنا چاہتے ہیں۔ یہ سب انہی اشتراکی ادیبوں کی قلمکاری کا ہی تو نتیجہ ہے۔

یہ سب باتیں ان لوگوں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہونی چاہییں جو تحریکِ اسلامی کے اندر شعر و ادب اور افسانہ و ناول کے جائز و ناجائز کی بحثوں میں اب تک پڑے ہوئے ہیں۔ بسم اللہ کا گنبد اس کے سوا اور کونسا ہوتا ہے کہ دشمن آپ کے سر پہ کھڑا ہے اور آپ بندوق کے استعمال کے بارے میں فقہی جواز و عدم جواز کی بحث فرما رہے ہیں۔

برادرم محترم!

میں نے آپ کے رسائل و مسائل کی لہو الحدیث کی بحث کے بارے میں جو یہ گفتگو کی ہے تو اس کی شرعی اور فقہی حیثیت پر آپ نے اس پر پہلے ہی کافی کلام کیا ہے اور وہ بہت کافی ہے۔ یہ تو وہ وہی دورِ حاضر میں سواری کے لیے ریل گاڑی کے استعمال کے جواز و عدم جواز کی بحث کے مترادف ہے۔ بہرحال میں نے منتشر طور پر صرف درد دل کی چند باتیں عرض کی ہیں۔ آپ کی اس تشویش میں برابر کا شریک ہوں کہ:

"اب مجھے یہی تشویش ہے کہ کچھ عرصہ بعد اس پسپائی کا احساس ہوگا جو ادبی کام کی کوتاہی کی وجہ سے غیر محسوس طور پر واقع ہو رہی ہے اور ایک نہ ایک دن اس کی کمی کی تلافی کا جذبہ بیدار ہوگا۔"

میرا خیال ہے کہ اب اس جذبے کی بیداری میں مزید تاخیر مہلک ہوگی۔ میری بھی یہی دُعا ہے کہ ہمارے نوجوانوں اور نئے لکھنے والوں میں ادبی میدان میں کام کی کمی کا احساس زیادہ بیدار ہو۔ اور وہ آگے بڑھ کر اس خلا کو پورا کریں۔ خواتین اور طالبات میں اس کا احساس و شعور موجود ہے اور مزید اُجاگر ہو گیا ہے۔ پھر ان کے ہاں خاصا کام بھی ہو رہا ہے۔ لیکن مردوں میں یہ پہلو تشنہ ہی نہیں مجرمانہ حد تک کوتاہی کا شکار ہو گیا ہے۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ کوئی ایک وسیع تر مجلسِ مشاورت بُلا لیجیے جو اس پہلو پر کام کا نقشہ سوچے تاکہ اس ویرانے میں بھی اذان کی آواز گونجے۔ جیلانی بی۔اے نے ایک بار اس ویرانے میں ایک اذان دی تھی لیکن جب انھوں نے اپنے پیچھے صف میں چار آدمی بھی جمع نہ پائے تو بیٹھے بیٹھے کر واپس چلے گئے۔ بہرحال اس راہ گذر پر نئے چراغ روشن کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ میں اپنا خونِ جگر اس چراغ کی لَو تیز کرنے کے لیے پیش کرنے کو تیار ہوں۔

۲- گیلانی صاحب کے خط کا جواب از نعیم صدیقی

برادرم اسعد گیلانی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مکتوب کیا ملا، گویا دبستان کھُل گیا۔ آپ نے جو کچھ لکھا، سب اچھا ہی اچھا ہے،

اس کے متعلق کیا لکھوں ۔ وہ ایک جگہ میرے اور آپ کے خیالات کی رَو یں کچھ کچھ الگ ہوتی ہیں ۔ ان پر بات کر لیتے ہیں ۔ وہ تین نکات :۔

ا۔ آپ نے "لہو الحدیث" کے سلسلے میں میری گذارشات کی جو تحسین فرمائی اس کے لیے صد گونہ سپاس ۔

۲۔ لیکن میں اپنے لیے حسرت و یاس کا الزام قبول نہیں کر سکتا ۔ اس لیے کہ اگر مجھے یہ روگ لگتا ــــ تو میرے قلم کی نوک اگر ٹوٹ نہ جاتی تو اسے زنگ ضرور لگ جاتا ۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں برابر لکھ رہا ہوں ــــ ادب اور شعر لکھ رہا ہوں ۔

دراصل حسرت و یاس کا ترجمہ آپ نے اپنی تحریر کے آخر میں خود ہی "تشویش" کے لفظ سے کر دیا ہے ۔

۳۔ میرا کہنا یہ بھی نہیں کہ اسلامی روحِ فکر کو ابھارنے والی ادبی تحریک کام نہیں کر رہی اور نظم و نثر میں ہماری تہذیبی اخلاقی قدریں ابھر نہیں رہیں ۔

۴۔ میرا کہنا صرف یہ ہے کہ تحریکِ اسلامی کے وابستگان ــــ اوپر سے لے کر نیچے تک ــــ (آپ اور دوسرے چند خاص خاص اربابِ احساس کو چھوڑ کر) ادب کی تحریکی حیثیت اور دنیا بھر میں ادبی نظریات کے تصادم اور ادبی کام کی انقلابی اہمیت جیسے موضوعات پر حاوی ہونا تو کجا ، ادب (خصوصاً براہ راست قسم کی خطابت زدہ مضمون نویسی سے ہٹا ہوا ادب) سے پوری طرح حظ اندوز بھی نہیں ہو سکتے ۔ ان کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ جو کام صراحت کے انداز سے بصد مشکل چل رہا ہے وہ کنایت کے انداز سے کیسے آگے بڑھے گا ۔

ہمارے پاس اوّل درجے کا ناقد ناپید ہے بلکہ دوسرے درجے کے ایسے ناقد بھی نہیں ہیں جو کام کرنے والوں کے کسی فن پارے ، کسی کتاب یا کسی نظریے پر چار سطریں لکھ سکیں ۔ ناشر نہیں ہیں جو ادبی اور شعری مواد اشاعت کے لیے طلب کریں ۔ ایسے پڑھنے والے کثیر تعداد میں نہیں ہیں جن کی پسند و ناپسند ہمیں آگاہ رکھے کہ کس طرح کا سوچنا اور کس طرح کا لکھنا مناسب ہوگا یا گوارا ہوگا ۔ ان کوتاہیوں کو محض یہ تصور پورا نہیں

کرسکتا ہے کہ پوری ایک کھیپ تیار ہوگئی ہے۔

اب اگر ان حقائق کو کوئی دیکھتا اور محسوس کرتا ہوا اور بیان کرے تو آپ اُسے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ نا امیدی و حسرت و یاس کی زد میں آگیا ہے۔ بلکہ یہ ایسی ہی بات ہے کہ ایک آدمی دیکھتا ہے کہ ایک چمن میں ایک خاص طرح کے پھول نہیں ہیں تو وہ یہی کہے گا کہ "نہیں ہیں" —— آخر وہ ان کو "ہیں" کس طرح کہہ دے؟ ایک گاڑی کے ایک پہیئے میں ہوا نہیں ہے۔ آخر گاڑی سے محبت کرنے والا بھی یہ کیسے کہے کہ اس میں ہوا ہے؟

۵ — میری کتابوں میں جو کمیونسٹ لٹریچر پڑا ہے اُس میں لینن کے خیالات آرٹ پر بڑی تفصیل سے موجود ہیں - دوسرے دانشور اشتراکی لیڈروں کے بھی - دراصل وہ لوگ پہلے دن سے اپنی نظریاتی تحریک کے ساتھ یہ سوچ کے چلے تھے کہ فلسفہ تاریخ کونسا چاہیے، صحافت سے کس طرح کام لینا ہے، ادب کی گاڑی کس طرح چلے گی - مزدوروں اور کسانوں کی قوت سے کس طرح کام لیا جائے گا۔ ہمارے یہاں بہت کچھ سوچ لیا گیا اور بہت کچھ نہیں سوچا گیا۔

۶ — یہ تو ٹھیک ہے کہ جدید دور کی مخصوص ادبی تحریکات (خصوصاً ترقی پسند اشتراکی تحریک)، نئی چیزیں ہیں، مگر یہ غلط فہمی قارئین کو آپ کی تحریر سے نہ ہو کہ ہمارے ہاں پہلے سے اس سلسلے میں کوئی کام اور کام کی لکیر موجود ہی نہیں - آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ادب کی قوت کا کون شناسا ہوگا، جنہوں نے اپنے ایک اُمتی شاعر (حسانؓ بن ثابت)، کو منبر پر بٹھا کر شعر پڑھوائے - اور جبریل امین کی تائید کی بشارت دی اور کعبؓ بن زہیر کا قصیدہ سن کر چادر اُتار کے دے دی - قرونِ اُولیٰ میں ہر واقعہ کے متعلق ادبی و شعری ریکارڈ موجود ہے بلکہ بعد کی ساری تاریخ میں رہا۔ ایران میں اسلام گیا تو شعر و ادب کے دھارے کا رُخ بدل گیا۔ برصغیر میں غالب سے اقبال تک اور عبدالحلیم شرر سے مولانا مودودیؒ تک جو عظیم الشان پیش رفت ہوئی اُسے بخوبی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ میں نے جو بات چھیڑی تھی کہ تحریکِ اسلامی کے ادب میں لفوذ اور

اس کے فہم و شعور کے متعلق تھی۔

اب آپ جس طرز کا کام کرنے پر تیار ہیں وہ اس طرح کا نہیں کہ آپ کا اصل کام ہی تخلیق ادب ہو، بلکہ آپ اصل میں ترجماعت کی قیادت، اسمبلی کی رکنیت اور عام کتاب نویسی اور مقالات نگاری اور خطابت کا کام کریں گے، ضمناً کبھی ادب کے نام پر بھی پھبنک دیا کریں گے۔ (اور یہی ہم سب کرتے ہیں)۔ بس یہ سمجھ لیجیے کہ اس طرح وہ ادبی تحریک نہیں چلتی جو ادبی لیڈرشپ آپ کی طرف منتقل کر دے۔ ہمیں صرف ادب کی ضرورت نہیں، ادبی لیڈرشپ کی ضرورت ہے، تب ہمارے بڑے نصب العین کو تقویت ملتی ہے۔

ایسے ادبی کام کے لیے جس طرح کے سوچنے والے ذہن چاہئیں، ہمارے پاس کم ہیں۔ زیادہ ہوتے تو وہ میرے آپ کے کہے بغیر کام کا راستہ سمجھ لیتے اور گاڑی چل کر آگے تک جا چکی ہوتی۔

یہاں تو حال یہ ہے کہ بالعموم ادب کو سیاست کاری کے تابع رکھنا پسند کیا جاتا ہے حالانکہ اچھے ادب کا نشوونما اس طرح ہوتا ہی نہیں کہ اپنے عقیدے کے فطری اظہار کے بجائے آدمی بنے بنائے چینلز میں سوچے۔ میرا ذہن تو اس کو گوارا نہیں کرتا کہ کوئی غیر ادبی شخصیت ادبی کام کرنے کے لیے اُٹھے یا ادبی خدمات سے تہی دامن کوئی شخص ادبی اسٹیج پہ جلوہ گر ہو۔ اسی طرح نمایاں سیاسی اکابر کو ادبی تنظیموں کی کشتیوں کا ناخدا نہیں بننا چاہیے۔ کیونکہ اس طرح سے سیاست والا تعصب اُدھر بھی اثر انداز ہو جاتا ہے۔

یہ باتیں میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ غلطیِ فکر کے پہلو واضح ہو جائیں تاکہ آئندہ لوگ بہتر کام کر سکیں۔

۸۔ دائرہ ادب میں بہتر کام انجام دینے والوں کی بڑی اہمیت محسوس کی جانی چاہیے ادب کی ویلیو (VALUE) بڑھانی چاہیے۔ اچھے ادب کی تخلیق کے لیے ہمارے ممتاز اصحاب کو بات کرنی چاہیے۔ لیڈروں کو اچھی ادبی تحریریں اور اشعار پڑھنے چاہئیں جو لوگ اسلامی خطوطِ فکر پہ کام کرتے ہوئے کوئی اچھا قدم آگے بڑھائیں ان کو داد

دی جانی چاہیے۔ اچھی کتابیں لکھنے والوں کو خطوط لکھنے چاہئیں۔ اس طرح وہ فضا پیدا ہوگی کہ نوجوان قوتت ادب میں سر اُبھارنے لگے۔

۹- مسئلہ جذبہ پیدا کرنے تک محدود نہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں میں ذوقِ ادب، بڑھے۔ ذوقِ ادب مطالعۂ ادب سے بڑھتا ہے، اچھے ادب پارول اچھی کتابوں اور اچھے ادیبوں کے حوالے سے بڑھتا ہے۔ لوگوں میں ادب شناسی اور ادب سے حظ اُٹھانے کا ملکہ ہونا چاہیے۔

ہمارا ناکام طریقِ کار اس پہلو سے یہ رہا کہ کسی بھی طرح کے اجتماع کو پروگرام کا ایک سوچ گھما کر مشاعرہ بنا دیا یا ادبی اجلاس قرار دے دیا۔ حالانکہ ادب کا قاری اور ادب کا سامع بننے کے لیے بھی خاصی محنت و کاوش کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کام کے لیے کاشکہ کوئی تربیت گاہ سال چھ ماہ مسلسل ایک ایک کلاس کو تیار کرتی رہے۔

۱۰- بہرحال جہاں تک آپ کے نیک عزم کا تعلق ہے، آپ آگے چلیں، ہم بھی ساتھ ساتھ گھسٹتے چلیں گے۔ انکار کی کہاں مجال! آگے چلنے کے بعض مواقع آئے، مگر میں اپنے ادبی شعور و فہم کی وجہ سے مجبور تھا کہ اگر اپنی شرائط پر چل چلا نہ سکوں تو تنہا کام کرتا رہوں۔ اپنی حد تک مجھے کوئی مایوسی نہیں ہے نہ کسی طرح کی حسرت!

رسائل و مسائل

مولینا مودودیؒ اور تعلیم کے نصابی سلسلے

سوال :- فیڈرل پبلک سروس کمیشن کے تحت ۱۶ ویں اور ۱۷ ویں گریڈ کے لیے ہونے والے مقابلے کے امتحان کا سلیبس نظر سے گذرا۔

اسلامیات کے سلیبس کا بغور جائزہ لینے کے بعد میں نے ایک محتاط رائے قائم کی ہے کہ عصرِ حاضر کے عظیم اسلامی مفکر اور مفسّر و شارحِ قرآن سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ جن کی نگارشات پورے عالم اسلام میں خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں اور پاکستان کی بھی مختلف یونیورسٹیوں میں شاملِ نصاب ہیں[۱]، کی کتب کو شاملِ نصاب کرنے سے گریز کیا گیا ہے۔

---

[۱] یہ جو شاملِ نصاب ہونے والی بات ہے، یہ بھی بڑی ناقص صورت میں ہے اور کہیں برائے نام۔ مولینا نے جن بڑے بڑے اہم موضوعات پر عرق ریزیاں کی ہیں۔ آپ کے نصاب ساز ان کے قریب تک نہیں پھٹکتے، بلکہ جانتے تک بھی کم ہی ہیں۔ تنقیحات، مسئلہ قومیت، دستور و قانون، بنیادی حقوق وغیرہ ایسی کتابیں موجود ہیں کہ وہ اگر نظامِ تعلیم میں شامل ہوں تو نوجوانوں کے ذہنوں سے اسلامی انقلاب کی رَو اٹھنا جلد ممکن ہو جائے گا۔ اب تو جو چیزیں بادلِ ناخواستہ ہوتی ہیں وہ "بچ بچا کر" کے اصول پر ہوتی ہیں۔ یہ تو کسی نے سوچا ہی نہیں کہ اسلامی معاشرہ کی تعمیر اگر مقصود ہو تو ہماری فکری اور اخلاقی اور تہذیبی تجدید کے لیے مولینا مودودی کے کام کی اہمیت کیا ہے۔

"مستفسر نے اس مقام پر اسلامی موضوعات کے ساتھ مولینا کی
مختلف کتب درج کر کے دکھایا ہے کہ یہ کتابیں تعلیمی ضرورت سے کتنی اہم ہیں"۔
مضمون "اسلامک ہسٹری اینڈ کلچر" کے لیے سیرت نبوی پر جہاں دیگر کتب درج ہیں
وہاں سیرت سرورِ عالم کا درج نہ ہونا باعثِ حیرت ہے۔
حیرت ہے ان اربابِ بست و کشاد پر کہ جنہوں نے مولانا مرحوم کا نام تک سلیبس
میں شامل کرنے پر پہرہ لگا دیا ہے۔
اس موجودہ نصاب کی ترتیب و تدوینِ جدید میں کون سے ایسے معیارات سامنے
رکھے ہیں جن پر مولینا مودودیؒ صاحب کی تصانیف پوری نہ آ سکیں؟
(یہ سوال ایک ایسے مراسلے کی نقل کی تلخیص ہے جو کئی اداروں کو بھیجا گیا ہے)

جواب:- گو یہ سوال نہیں اور براہِ راست ہم سے متعلق نہیں، بلکہ ایک طرح کی فریاد کی نقل ہے، مگر اس کو رسائل و مسائل میں لیا جا سکتا ہے۔ آپ کے احساسات سے متاثر ہونے کے بعد میں اپنا نقطۂ نظر پیش کرتا ہوں۔

مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے لادینیت کی راہ کو پسند کرنے والوں کے سامنے دین کا راستہ کھول کر جو گناہ کیا ہے اس کی سزا جن بہت سی شکلوں میں مولینا مودودیؒ کو دی جا رہی ہے ان میں سے ایک شکل وہ بھی ہے جس کا ذکر آپ نے کیا ہے۔

مولینا کا لٹریچر کتنا ہی اہم اور مفیدِ ضرورت ہو، مگر ان کی طرف سے اقامتِ نظامِ اسلامی کی دعوت کا جرم سرزد ہو جانے کے بعد حکومت سے تعلق رکھنے والے ہر فرد اور ادارے کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ان کے لٹریچر سے استفادہ کے دروازے طلبہ و اساتذہ کے لیے بند کرے۔

ایسی صورت میں شکایت کیسی اور فریاد کیا؟

ہے بلاشبہ یہ سازش کے سے انداز کا کام — مگر آپ فکر نہ کریں، اگر کارکنانِ دعوت و تحریک نے صحیح کام کیا تو چند ہی برسوں میں سازشوں کے سارے تانے بانے عنکبوتی بے نام و نشان ہو جائیں گے۔ صحیح دعوتی کام کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ۔

موجودہ اربابِ بست و کشاد کے سامنے انگریزی سامراج کا دیا ہوا ایک کلیہ کہ جو سیاسی دائرے میں قدم رکھے اور خصوصاً اپوزیشن کے مقام سے بولے، وہ اگر کلمہ توحید بھی پڑھے تو اس سے قبول نہ کیا جائے گا، کسی غیر سے قبول کر لیا جائے گا۔ بڑے سے بڑا علم، عظیم سے عظیم حکمت، اعلیٰ سے اعلیٰ ادبیت، پاک سے پاک خیر خواہیِ ملت۔ یہ ساری خوبیاں بازارِ اقتدار میں کھوٹا مال ہیں، جب کہ یہ کسی "اپنے آدمی" کے ہاں نہ ہوں۔

کرنے کا کام یہی ہے کہ مولینا کی کتابوں سے نصابی مقصد حاصل کرنے کے لیے آپ مقالات اور مراسلات کے ذریعے حکام اور اربابِ تعلیم اور عوام کو توجہ دلاتے رہیں۔۔۔ خاص خاص متعلقہ اکابر کو براہ راست خطوط بھی لکھیں۔ جب ممکن ہو اس مسئلے کو تعلیمی کانفرنسوں میں لائیے غرضیکہ ہر طرح یہ اپیل کریں کہ تعصبات کو کسی صاحبِ علم سے استفادہ کرنے میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ (ن۔ ص)

قرآن و حدیث، اجتہاد، قیاس، اجماع

سوال:۔ آپ نے شریعت بل کو عوام کی آرا حاصل کرنے کے لیے مشتہر فرمایا ہے، اسی سلسلہ میں چند گذارشات خدمت میں پیش کی جارہی ہیں۔ تو ان کے ضمن میں نقطہ "د" پر تحریر ہے کہ:

"ایسے احکام جو امت کے مستند اور مستند فقہاءِ مجتہدین نے قرآن اور سنتِ رسولؐ اور اجماعِ امت سے قیاس اور اجتہاد کے ذریعے مستنبط کر کے مدون کیے

لہ اصل میں یہ خط سیکرٹری سینیٹ سیکرٹری ایبٹ کو بھیجا گیا تھا۔ ہمیں اس کی نقل موصول ہوئی۔

ہیں، شریعت کے احکام متصور ہوں گے"۔ ہم جیسے عامی جناب سے یہ پوچھ سکتے ہیں کہ کیا یہ شرط صحابہ کرامؓ کے لیے مخفی رکیونکہ متکلم اور مجتہد فقہا، بعد میں تشریف لائے تھے تو ان لوگوں کے لیے ان کے مستنبط کردہ احکام کو خدا اور رسولؐ کے احکام سمجھنا کیوں ضروری ہو گیا؟

یہ سوال اس لیے پیدا ہوا کہ جو شخص کسی بھی ادارے کا سربراہ ہو، اُس کی شخصیت اس ادارے کے اندر فیصلہ کُن ہوگی۔ بالکل اسی طرح فقہاء کے اجتہاد کی مثال ہے۔ فقہ حنفی کا مزاج اور ہے اور دوسرے ائمہ کی فقہوں کا مزاج دوسرا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام معلوم کرنے کے لیے جس طرح قرآن و حدیث دو مآخذ ہیں اور اُن کے ہوتے ہوئے کسی اور اضافے کی ضرورت نہ تھی۔ جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر مقرر کرتے وقت آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اگر مسئلہ قرآن و حدیث میں نہ ملے تو کیا کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ قرآن و سنّت کے عام دستور کے تحت خدا خوفی سے اپنی رائے قائم کروں گا۔ جس کی آپ نے تحسین فرمائی۔

یہی بات آپؐ نے دوسری جگہ یوں ارشاد فرمائی کہ جب میری اُمت بہتّر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی تو ایک کے سوا سب جہنمی ہوں گے۔ کسی نے اُس کی نشانی دریافت کی تو فرمایا۔ ما علینا علیہ و اصحابی الیوم۔ یعنی جس چیز پہ آج میں اور میرے اصحاب ہیں۔ یعنی قرآن و حدیث اور ان کے تحت اپنی رائے۔

سوال یہ ہے کہ اگر ائمہ کے اندر اختلاف ہے تو کس فقہ پہ عمل کیا جائے گا۔ پھر اختلاف اُمت کی صورت رہے گی جس کا جواز حکومت کا یہ شریعت بل فراہم کرے گا۔

جواب: آپ کے خط میں متعدد پیچیدہ سوالات باہم دگر اُلجھ گئے ہیں۔ میں نمبروار کچھ گزارشات پیش کرتا ہوں:

۱۔ اصلاً تو دین مقرر کرنا صرف خدا کا کام ہے۔ اور اسی نے کہا کہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔

۲ ــــ مگر اس نے خود ہی اپنی کتاب ہدایت میں نبیؐ کو بطور معلم و مزکی اور بطور نمونہ مقرر کر کے اور اسی بنیاد پر مطاع قرار دے کر ہمیں پابند کر دیا کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ - ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ دین تو اللہ کا ہے، پھر یہ اور آگے کیا ہے، جواب یہ کہ یہ بھی اللہ کا ہے -

۳ ــــ حضورؐ نے تعبیرِ دین اور تفسیر قرآن اور اجتہاد اور قضا کے فرائض کے لیے صحابہ کرامؓ کی خاص تربیت فرمائی - اس تربیت کی وجہ سے ان کا مقام امتیازی ہے - ان کا اجتہاد ہر اجتہاد سے فائق ہے - اور ان کا استنباط ہر بعد کے استنباط سے محفوظ تر ہے -

۴ ــــ پھر مسئلہ اجماع سامنے آتا ہے - اسی طرح نظائر کا مسئلہ سامنے آتا ہے کہ جب کسی متعین نظامِ قانون کے تحت ماہر و مخلص قاضی پوری بحثوں کے بعد کسی مسئلے کا ایسا استنباط کرے جو مدعائے شریعت کے زیادہ سے زیادہ مطابق ہو تو اس نظیر کی حیثیت ـــــ یا ایسی نظیر پر وقت کے علمائے قانون کا اجماع آرا ـــــ کسی عام قانونی رائے سے برتر ہو گا -

۵ ــــ ائمۂ فقہا نے تفسیر و تعبیر کے قواعد قرآن و حدیث، صحابہ اور ماہرین کے اجماع و نظائر کی مدد سے متعین کیے اور پھر ان کی بنا پر واضح اصولی احکام سے غیر واضح جزئی فروعات کا استنباط اس طرح کیا کہ بجائے اس کے کہ مسائل بکھرے بکھرے رہیں، سب ایک معقول سسٹم پر آجائیں جو شرعی اصولوں اور عقلی ضروریات اور معاشرے کے احوال سے مطابقت رکھتا ہو اور اس سسٹم کے تحت ہر صاحبِ علم یہ اندازہ کر سکے کہ کسی نامعلوم فرع تک جانے کا راستہ کیا ہے اور کس معاملے میں اصولِ متعینہ سے کیا نتیجہ نکلنا چاہیے -

۶ ــــ اصل بحث کا موضوع فرقوں کی تعداد نہیں، اصل یہ ہے کہ سوائے ایک صورت کے باقی تمام صورتیں گمراہی کی ہوں گی اور صحیح صورتِ واحدہ یہ ہے کہ "ما انا علیہ و اصحابی" اس کے معنی یہ نہیں کہ نہ بعد میں کوئی مسئلہ پیدا ہو گا اور نہ کوئی حکم لگایا جائے گا، ورنہ کوئی بات بھی دائرۂ مقرر سے باہر ہو جائے گی - یہ نہیں! بلکہ مدعا یہ ہے کہ جس طرح حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کتاب و سنت کے پابند رہے اور اس پابندی کے ساتھ فروعات کو کتاب و سنت ہی کی بنیاد پر طے کرتے رہے، اسی طرح آئندہ بھی وہی لوگ برسرِ حق ہوں گے جو کتاب و سنت کو اصل مان کر انہی کے اصولیات

پر تفصیلاتِ نو کی اساس رکھیں گے۔ ان سے ذرا سا انحراف بھی بدعت کے دائرے میں لے جائے گا۔

۷۔ رہا یہ عجیب تصور کہ اگر "ما انا علیہ و اصحابی" کا کلیہ تسلیم کیا جائے تو پھر کوئی اختلاف سرے سے نہ رہنا چاہیے، اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ خود صحابہ کرامؓ میں تفسیر آیات اور تشریحِ سنت میں اختلاف تھا۔ تفسیر و تشریح کا یہی اختلاف ہے جس کی وجہ سے ایک سے زیادہ نظامِ فقہ وجود میں آئے۔ اگر نفسِ دین اور اُصولِ دین اور تمسک بالکتاب والسنۃ اور دعوتِ حق اور دشمنانِ دین کے خلاف جہاد وغیرہ اُمور میں سارے مسلمان ایک رہیں تو فقہی اختلافات سے کچھ نہیں بگڑتا۔ بشرطیکہ غلو سے کام نہ لیا جائے۔ مثلاً فجر کی سُنتیں چھوٹ جائیں تو طلوعِ آفتاب سے پہلے پڑھی جاسکتی ہیں یا آفتاب کے بلند ہونے پر، یا مطلقہ کی عدت کتنی ہے، ثلاثۃ "قروء" یا ثلاثۃ طُہر، یا زکوٰۃ چاندی، سونے، مالِ تجارت اور نقود کو جمع کر کے کل مجموعے ہی سے دینی چاہیے۔ یا چاندی کی الگ اور سونے کی الگ اور مالِ تجارت اور نقود کی الگ دے۔ اس طرح کے معاملات میں اختلافات کے ہونے سے اس وقت تک فتنہ نمودار نہیں ہوتا۔ جب تک فکر کی بنیاد کتاب و سنت پر ہو اور جب تک ایسے اختلافات میں ہر ایک دوسرے کو برسرِ حق اور متبع سنت سمجھے۔

آپ دس اصحاب کو کسی مجمع میں علم یا ایمان یا نماز یا جہاد یا بیع و شریٰ پر تقریر کرنے کے لیے کہیں تو چاہے وہ اصحاب کسی ایک ہی فقہی مسلک کے ہوں، ہر ایک کی زبان، لہجہ، طرزِ ادا، استدلال، فکری زور مختلف ہوگا۔ اسی طرح اجتہاد و استنباط کے کام میں ایک ہی لفظ سے جملے اور اس کے سیاق و سباق کے لحاظ سے مختلف اشخاص مختلف مفہوم اخذ کریں گے۔ اس سے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

آج کل ایک خطرہ دین گریز عناصر کے شوقِ اجتہاد سے ہے۔ اس کی فکر ضرور کیجیے۔

۸۔ متذکرہ گذارشات کے ساتھ میرا خیال یہ ہے کہ شریعت بل کی شق "د" کو برقرار رکھنے یا حذف کرنے پر کسی دوسری طرح بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔

مطبوعات

مسلمان اور مغربی تعلیم از پروفیسر سید محمد سلیم ۔ ناشر: ادارہ تعلیمی تحقیق تنظیم اساتذہ پاکستان ۸۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ۔ لاہور۔ سفید کاغذ پر اچھی طباعت ۔ صفحات : ۳۶۷ قیمت : ۲۷/- روپے (جو ارزاں ہے)

اس کتاب کا تعارف لکھنا مشکل ہے ۔ اس میں اتنا مواد ہے اور اتنی ضروری معلومات ہیں کہ اگر ان کے صرف موضوع ہی لکھے جائیں تو بڑی جگہ چاہیے ۔ کتاب کے ابتدائی یک صد صفحات (تقریباً) مغربی اقوام اور خصوصاً انگریزوں کے برصغیر میں ورود اور ان کی سازشی کارروائیوں کے متعلق ہیں ۔ وہ لوگ جس ذہنیت کے ساتھ آئے اور مقامی آبادی، خصوصاً مسلمانوں سے جو سلوک کیا اور ہندوؤں کو جس طرح ان کے مقابلے کے لیے کھڑا کیا، یہ داستان ان اوراق میں بکھری ہوئی ہے ۔ خود تعلیم کے باب میں یہ کہا گیا ہے کہ ابتداءً تو مقامی لوگوں کو پڑھنے لکھنے سے محروم کرنے کی کوشش کی گئی ۔ پھر جب تعلیم کا دور چلا تو مسلمانوں کو پیچھے پھینکنے کی تدبیریں کی گئیں ۔

برصغیر میں مغربی تسلط کے بعد تعلیم کی ابتدا عیسائیت کی تبلیغ کے لیے مختلف پادریوں نے کی اور جابجا اسکول اور کالج کھولے ۔ ۱۶۹۸ء کے اجارہ نامہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو حکومت برطانیہ کی طرف سے اس بات کا پابند کیا گیا کہ ہر قلعے اور فیکٹری میں کم سے کم ایک پادری کو پروٹسٹنٹ مذہب کی تعلیم دینے کے لیے مامور کیا جائے ۔ ۱۷۷۳ء کے اجارہ نامہ کے تحت کمپنی کی حکومت کا باقاعدہ آغاز ہوا ۔ وارن ہیسٹنگز نے ۱۷۸۱ء میں مدرسہ عالیہ کلکتہ قائم کیا ۔ پھر ہندو سنسکرت کالج بنارس (۱۷۹۱ء) میں اور فورٹ ولیم مدرسہ ۱۷۹۹ء میں قائم ہوا جو

سلطان ٹیپو پر انگریزی فتح کی تاریخ ۴ مئی ۱۸۰۰ء کو کالج بنا دیا گیا۔ ویلزلی نے اپنے ملازمین کے لیے جو نصاب تجویز کیا تھا۔ وہ کتاب کے صفحہ ۱۳۰ پر درج ہے۔ تعلیم کے ساتھ احیائے علوم و ادبیات کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔

یہ تفصیل کتاب ہی میں دیکھیے کہ یہاں کے لیے برطانوی تعلیمی پالیسی کا ایک ایک نکتہ کب کب کس کس نے نمایاں کیا۔

برطانوی پارلیمنٹ کی قرارداد تعلیم (۱۸۱۳ء) بڑی اہم ہے، اسے کتاب کے صفحہ ۱۴۳-۱۴۴ پر اور اس کی تشریح کو صفحہ ۱۴۴ سے ۱۴۸ تک ملاحظہ فرمایئے۔ اس میں مسلمانوں کے وجود اور ان کی قومیت اور تہذیب اور ضرورت تعلیم کا کوئی حوالہ نہیں۔ بارھواں باب بتاتا ہے کہ کس طرح ۱۸۳۵ء تا ۱۸۵۴ء مشرقی تعلیم کا خاتمہ ہوا اور مغربی تعلیم کا باقاعدہ اجراء ہوا۔ اور اسی مرحلے میں قانون تنسیخ اوقاف منظور کر کے بالفاظ ولیم ہنٹر مسلمانوں کے نظام تعلیم پر شدید ضرب لگائی گئی پھر لارڈ میکالے کے نظریہ تعلیم اور اس کے مطابق بننے والی پالیسی اور اس کے نفاذ و اثرات کا ذکر ہے۔ تعلیم کے معاملے میں مسلمانوں کے ساتھ جو زیادتیاں کی گئیں۔ ان کے بارے میں ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی حکومت کو تلافی کا احساس ہوا کہ نیا منصوبہ بنایا جائے۔ چنانچہ ایک تعلیمی کمیشن منظور ہوا اور پھر مسلمانوں کی تعلیم کے لیے جو احکام دیئے گئے۔ وہ صفحہ ۲۶۳ تا ۲۶۵ پر ملاحظہ ہوں۔ آگے چل کر سرسید کی تعلیمی مساعی اور دوسری طرف مسیحی اداروں کے بننے کی تفصیل ہے۔

افسوس ہے کہ اس سے زیادہ کچھ عرض کرنا امکان میں نہیں۔ اہل ذوق کتاب حاصل کر کے خود دیکھیں۔

روح، عذاب قبر اور سماع موتیٰ | از مولینا عبدالرحمٰن کیلانی۔ ناشر: مکتبۃ السلام۔ وسن پورہ لاہور۔ صفحات: ۱۲۵ قیمت: دس روپے

یہ ایک صاحب علم کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ خوب تحقیق کی گئی ہے۔ ان دنوں (اور پہلے سے بھی) ان موضوعات پر مختلف دائروں میں بحثیں ہوتی رہتی ہیں۔ ان بحثوں کی تنقیح و توضیح کا کام

کیلانی صاحب نے نصوص کی روشنی میں کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ مسائل بھی ضروری ہیں، مگر رُوح، عذاب، اور سماعِ موتیٰ جیسے غیبی اُمور میں منصوص اُصولوں پر ایمان مجمل رکھنا کافی ہے۔ بہت زیادہ تفصیلات میں جانا، ردّ و کد کرنا اور ایک دوسرے سے بات منوانے کی کوشش کرنا بسا اوقات لوگوں کو تکلیفِ مالایطاق میں مبتلا کر دیتا ہے۔ بہر حال ان وسیع معلومات کی قدر کرنی چاہیے، جو کیلانی صاحب نے جمع کی ہیں۔

لیکن کاش کہ کچھ علماء اُس عذاب سے نجات کی کوئی راہ بھی سوچیں، جن میں آج مسلمان قومیں اور ہر مسلمان فرد بلکہ ہر انسان مبتلا ہے۔ کاش کہ کوئی پکار ایسی بھی ہو جو ان میتوں کو سنوا سکے جو چاروں طرف کثیر تعداد میں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔

دوسرے لفظوں میں قبر سے بعد کی زندگی کو درست کرنے کے لیے قبر سے پہلے کی زندگی کی اصلاح کا کام اشد ضروری ہے۔

تبلیغی نصاب | از جناب تابش مہدی۔ ناشر: دار البحوث اسلامی، پوسٹ بکس نمبر ۴۴۳ کراچی۔ صفحات: ۱۴۴۔ قیمت: ۱۵/- روپے

اس کتاب پر ہم پہلے تبصرہ درج کر چکے ہیں۔ دوبارہ اندراج کا مقصد یہ ہے کہ اب یہ اس کا پہلا پاکستانی ایڈیشن ہے۔ یہ مقبول کتاب انڈیا میں بہت فروخت ہو رہی ہے۔ اور اب یہاں بھی یہ مارکیٹ میں آگئی ہے۔

مکتوبات سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ | مرتبہ: حکیم محمد شریف مسلم۔ ناشر: البدر پبلی کیشنز، ۱۳۔ راحت مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ قیمت مجلد ۲۷۲ صفحات ۵۰/- روپے

یہ مولانا مودودی کی طرف سے مرتب کے نام لکھے ہوئے یک صد خطوط کا مجموعہ ہے۔ پیش لفظ واز پروفیسر اسرار احمد سہاروی، مکتوب الیہ یعنی حکیم صاحب کے حالاتِ زندگی (از طالب الہاشمی) اور حکیم محمد شریف مسلم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی نظر میں، وہ ابتدائی مضامین ہیں جن ۷۴ صفحے پورے ہو گئے۔

ان خطوط کا غالب مرکزی موضوع تو مولینا کا اپنی تکالیف (بہ سلسلہ پتھری) کے لیے حکیم صاحب سے رجوع کرنے سے متعلق ہے۔ بیچ میں دوسرے موضوعات بھی آ گئے، جن میں سے خاصے مسائل پر حکیم صاحب سے بات چھیڑی۔ مولینا کا طب یونانی کے متعلق نہ صرف نقطۂ نظر سامنے آتا ہے، بلکہ شہادت ملتی ہے کہ مولینا اچھی خاصی طبی اصطلاحات اور معمولاتی ادویہ سے واقف تھے۔ پھر مولینا کا اپنی بیماری یا کسی ضمنی تکلیف کا خاص اندازِ اظہار بھی ادبی لحاظ سے بڑا اہم ہے۔

حسنِ ترتیب میں اضافہ ہو جاتا، اگر بعض بہت ہی نجی و سرسری خطوط یا عبارتوں کو حذف کر دیا جاتا۔ ہر چیز نہ آدمی اس لیے لکھتا ہے کہ وہ شائع ہو اور نہ یہ موزوں ہوتا ہے کہ جو کچھ ہاتھ لگے اُسے شائع کر دیا جائے۔ ایسے کام ماہرانہ چھان پھٹک سے انجام پائیں تو مناسب ہو۔ مثلاً مولینا کا ایک خاص اندازِ مروّت تھا کہ وہ بعض چیزوں کو ناپسند کرنے کے باوجود سہ جاتے تھے، یا ملنے جلنے والوں کے لیے ان کی طبیعت میں ایک خاص لحاظ تھا، جس کی وجہ سے لوگوں کو نامناسب خواہشیں بیان کر دینے کی جرأت بھی ہوتی تھی۔ لیکن مولینا کبھی سختی سے ٹوکتے نہیں تھے۔ اب یا تو ان کی سیرت کے ان گوشوں کو اچھی طرح واضح کر کے اس وضاحت کے فریم میں ان کی کسی عبارت کو دیکھا جائے اور یا پھر ایسی چیزوں کو روک لیا جائے۔

میرا ہمیشہ نقطۂ نظر یہ رہا ہے کہ مولینا جیسی خادمِ دین و انسانیت شخصیتوں کے متعلق کام کرتے اور کچھ بھی مواد سامنے لاتے ہوئے ایسا شائبہ پیدا نہ ہونے دیا جائے کہ جیسے کسی کا جی چاہتا ہو کہ مولینا کچھ وسیلۂ ظفر بن جائیں۔

معلوم نہیں، کس خیال سے چل کر کیا کچھ لکھ دیا۔ آخری کلمہ تو یہ کہنے کا ہے کہ یہ کتاب (حصہ اوّل) بڑی خدمت ہے اور اس کی جزا مرتب کو بھی ملے، ناشر کو بھی اور پروفیسر سہارنپوری صاحب اور طالب ہاشمی کو بھی۔

DOCKMENTS FROM THE U.S. ESPIONAGE DIN	مرتبین وناشرین: دانش جویانِ مسلمان پیرو خطِ امام ایرانی مراکزِ تقسیم لٹریچر سے مل سکتی ہے۔

یہ کتاب انگریزی اور فارسی دونوں زبانوں میں ہے۔ دعویٰ یہ ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم بلا دلیل اسے غلط سمجھیں، کہ یہ ان دستاویزات کا مجموعہ ہے جو ایامِ انقلاب میں زیرِ حراست امریکی سفارت خانے سے برآمد ہوئے۔ ان کا اصل انگریزی متن بھی دے دیا گیا ہے اور ایک طرف فارسی ترجمہ۔

خاص بات یہ ہے کہ اس "قسط" کا تعلق زیادہ تر پاکستان سے ہے۔ ضمناً افغانستان کے معاملات بھی آتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ پاکستان، ایران اور افغانستان پر مشتمل علاقہ "بنیاد پرست اسلامیوں" کے نام پر مغرب والوں نے خطرناک قرار دے رکھا ہے۔ دونوں سپر پاورز اس کے خلاف ہیں۔ ایک نے افغانستان کو جہنم بنا دیا ہے، دوسری نے پاکستان میں خلفشار انگیزی کے لیے بٹن دبا دیا ہے۔ ایران جو ہاتھ سے نکل گیا، فی الحال اس کے لیے عراق سے جنگ کافی ہے۔ بعد میں جب دو ملکوں میں معرکے سر ہو چکیں گے تو پھر توجہات ایران کی طرف مبذول ہوں گی۔ بعض لوگ متذکرہ دستاویزات کی صحت پر شبہات کا اظہار کرتے ہیں۔

AL-MKRABAHA IN THEORY & PRACTICE	از سید حامد عبدالرحمٰن الکاف۔ ناشر: اسلامک ریسرچ اکیڈمی، کراچی۔ ۱۰/۱۶۳ — C، فیڈرل بی ایریا

کراچی۔ ۳۸۰۵۔ قیمت درج نہیں۔

سید حامد الکاف سودی معاملات پر متعدد مقالات لکھ چکے ہیں۔ پیشِ نظر انگریزی پمفلٹ (صفحات: ۶۴) کے مبحث کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں القطر کے اسلامی بنک کے بنیادی طریقِ معاملت کو زیرِ بحث لا کر دکھایا گیا ہے کہ اس طریق میں سود شامل ہے اور قطر کے بنکنگ سسٹم کو شرعی علمی بنیاد فراہم کرنے والے ذی مرتبت عالم علامہ یوسف القرضاوی کے فقہی مسلک کو اصولِ نصوص کے خلاف ثابت کیا گیا ہے۔ قرضاوی صاحب اس کے علمبردار ہیں کہ اشیاء کی معجل اور مؤخر قیمتوں میں فرق کرنا (یا بتاخیر ادائیگی کا معاوضہ لینا) جائز ہے۔ الکاف صاحب

نے بہت اچھی علمی بحث حوالوں اور ضروری تجزیے کے ساتھ کی ہے، مگر دو ایک مضمون انہوں نے علمی بحث سے ہٹ کر ذاتی جذباتیت کا دردمندانہ مظاہرہ کیا ہے۔ آخر میں اپنی طرف سے بھی حلِ قضیہ پیش کیا ہے۔ جی چاہتا تھا کہ اس پمفلٹ کے مباحث پر تفصیلی گفتگو کروں، مگر اس کے لیے جگہ نہیں۔

SUFISM AND SHARIAH

مؤلف: محمد عبدالحق انصاری - ناشر: دی اسلامک فاؤنڈیشن ۲۲۳ - لندن روڈ - سٹونی گیٹ لائسسٹر (LE2 1ZE) انگلینڈ - قیمت درج نہیں۔ نفیس طباعت - صفحات: ۳۶۸ -

دراصل یہ کتاب حضرت شیخ احمد مجدد سرہندی کی ان کاوشوں سے متعلق ہے جو حضرت نے ادارہ تصوّف کی اصلاح کے لیے کیں۔ مگر جتنی محنت و توجہ حضرت مجدّد کے مکاتیب کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے، قریب قریب اتنی ہی توجہ کا تقاضا یہ کتاب کرتی ہے۔ بڑی پیچیدگی تصوّف کی اصطلاحات کی ہے، جنہیں آج کل کے تعلیم یافتہ لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ اور پھر مزید قضیہ یہ ہے کہ ان اصطلاحات کے مروج و معروف مفہوم کے بجائے حضرت مجدد ان میں ایک نیا مفہوم پیدا کرتے ہیں تاہم حضرت مجدد کے کام کے جن پہلوؤں کو منعکس کیا گیا ہے، ان میں چند اہم یہ ہیں:

۱ ـ انہوں نے نہ صرف شریعت اور طریقت کی جدائی کو ختم کیا، بلکہ شریعت کو برتر رکھا۔

۲ ـ انہوں نے ابن عربی کے نظریۂ وحدت الوجود کا رد کیا اور اپنی طرف سے نظریۂ وحدت الشہود پیش کیا۔ علاوہ ازیں ابن العربی والے تصوف کے پورے نظام فکر کو الٹ پلٹ دیا۔ کوئی معمولی آدمی ان کی تحریروں سے یہ ساری تفاصیل اخذ نہیں کر سکتا۔

۳ ـ انہوں نے دین و تصوف کے ان تصورات کا خاتمہ کر دیا جو نظامِ دنیا اور سیاسی ہیئت کے بگاڑ سے بے تعلق رہتے ہیں۔ بلکہ عملاً خود آگے بڑھ کر اقامتِ دین کے لیے سعی کی اور سیاسی قید کی آزمائش سے بھی گزرے۔

۴ ـ ان کا خاص تجربہ یہ ہے کہ انہوں نے دعوت بذریعہ خط و کتابت کا طریقہ اختیار کیا۔ اور اس معاملے میں شعر اور ادبیت سے خوب کام لیا۔

مؤلف محمد عبدالحق انصاری سب کے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نہ صرف حضرت مجدد کے مکاتیب کو چھانا پھٹکا اور ایک ہی موضوع سے متعلق دس دس جگہ بکھرے ہوئے نکات کو جمع کیا، بلکہ حضرت مجدد کے خیالات کا تجزیہ کرنے اور قارئین کے لیے قابلِ فہم بنانے میں بڑی قابلیت کا ثبوت دیا۔ یہ کتاب اسلامی لٹریچر میں نہایت قیمتی اضافہ ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی اور حیدرآباد آصفی

از مولینا غلام محمد۔ ناشر: بہادر یار جنگ اکادمی۔ سراج الدولہ روڈ بہادر آباد کراچی۔ صفحات: ۱۰۴۔ قیمت: ۲۰/- روپے

نواب بہادر یار جنگ کا نام ہی فکر و عمل کی تیز رَو پیدا کر دینے والا ہے۔ اسی نسبت سے بہادر یار جنگ اکادمی نہایت اچھا اور وسیع کام کر رہی ہے۔ ہال ہے، اجتماع گاہ ہے، لائبریری ہے اور دارالاشاعت ہے۔ ایسے ادارے قوم کی بڑی دولت ہیں۔

سفید کاغذ پر چھپی ہوئی چھوٹی سی اس کتاب میں اہم مواد اتنا ہے کہ "ظرف مطبوعات" میں اس کے دسویں حصّے کی سمائی بھی نہیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی جیسی درخشاں اسلامی اور علمی شخصیت کی کئی تجلیات اس میں محفوظ ہیں۔ انہوں نے حیدرآباد کے سات سفر (مارچ ۱۹۱۱ء تا دسمبر ۱۹۴۴ء) کیے جن میں سے ہر سفر علمی و تعلیمی نوعیت رکھتا تھا۔ حضرت علامہ نے دارالمصنفین کی مشہور سیرت کی پیش کش آصف سابع کے سامنے کی اور پھر اس حکمران سے بڑے گہرے تعلقات نے نشوونما پائی۔ علامہ نے تقاریر کے علاوہ تعلیمی اور قانونی امور میں بھی معاونت کی۔ خاص خاص اداروں سے دلچسپی لی۔ سید صاحب کے اثرات سے نماز کے اندر کے جزئی اختلافات پر ردّوکد کے انسداد کا شاہی حکم جاری ہوا۔ سنی، شیعہ قضیہ کو دور کرنے اور راہِ اشتراک نکالنے کے لیے فرمانروا نے علماء سے استصواب کیا تو جواب ملا کہ "حق و باطل کے درمیان کوئی راہِ اشتراک نہیں نکالی جاسکتی"۔ بات ختم ہوگئی۔ کتاب میں علامہ صاحب کے اس دائرہ تعلقات کا ذکر ہے جو حیدرآباد میں پھیلتا رہا۔ کئی ضیافتوں اور ملاقاتوں کا ذکر ہے۔ حیدرآباد کی تاریخ اور علامہ ندوی کی سوانح کو سمجھنے کے لیے اسے پڑھنا ضروری ہے۔ ہم یہاں اس اجمال کی حد سے آگے نہیں جاسکتے۔

حضرت زینبؓ بنت جحش | از ابن عبدالشکور - ناشر: عارف پبلیکیشنز بنگلور ۵۱ و مکتبہ تعمیر انسانیت اُردو بازار، لاہور۔ قیمت: ۱۲/- روپے

یہ بات بڑی اُمید افزا ہے کہ نوجوانوں میں تاریخ و سیرت کو نئے اسالیب سے پیش کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ حضرت زینب بنتِ جحش کے حالاتِ زندگی ادبی انداز سے بیان کیے گئے ہیں، بلکہ شروع میں مکالماتی انداز بھی آزمایا گیا۔ اس بارے میں مجھے بڑی آرزو رہی کہ نہ صرف تاریخ و سوانح بلکہ دعوتی لٹریچر بھی ڈراماتی نہیں تو مکالماتی صورت میں شائع ہو، مگر یہ فن بڑا مشکل ہے۔ ابن عبدالشکور صاحب یقیناً ترقی کریں گے، مگر فی الحال مکالمے کا رنگ مصنوعی ہے اور سوائے اسلام لانے کے کسی مجلس میں کوئی عام بات ہوتی ہی نہیں۔ نیز کئی عورتوں اور لڑکوں کے اسلام لانے کا ذکر تیزی سے اور اکٹھے ہو جاتا ہے۔ یہ صورت غیر فطری ہے۔ ہر مکالمے میں بار بار پیاری بہن اور بہن وغیرہ کے الفاظ سے تخاطب کا انداز بھی مصنوعی ہے۔ تاریخ و سوانح کی صحت کو مکالماتی ادبیت سے ہم آہنگ کرنا بہت ہی مشکل کام ہے

بہرحال نیک نیتی سے اچھے مقصد کے لیے یہ کوشش کی گئی ہے، عورتوں اور بچوں کے لیے خصوصاً بہت مفید ہے۔

حکایاتِ عزیمت | از جناب بدر عالم - ناشر: گلستان پبلیکیشنز و مکتبہ چراغِ اسلام ۵/۱ قذافی مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ قیمت: ۶/- روپے

بدر عالم صاحب سائنس دان اور ادیب ہونے کے ساتھ قرآن و حدیث اور اسلامی تاریخ سے بڑی دلچسپی رکھتے ہیں۔ انہوں نے بزرگ دانشور پروفیسر فروغ احمد صاحب کے "تعارف" کے ساتھ اسلاف اور بزرگانِ دین کے ایسے ۶۷ واقعات جمع کئے ہیں جو درسِ عزیمت دیتے ہیں۔ نئی نسلوں کو ایسی چیزوں کی بہت ضرورت ہے۔

اسلام اور سرمایہ داری میں جنگ از جناب رانا صابر نظامی ۔ ناشر: ادارہ تحریک اسلامی ۲۔ اے سانده روڈ لاہور۔ قیمت: ۲۵/ روپے۔

یہ دَور جب کہ مغرب کے سحر سے انفرادی سرمایہ داری اور رُوسی آسیب کے زیر اثر حکومتی سرمایہ داری انسانوں پر مسلط ہے اور اس کی وجہ سے دنیا دارالعذاب بن گئی ہے۔ اس میں واحد مرکزِ اُمید اسلام رہ گیا ہے۔ رانا صابر نظامی نے اس کتاب میں آیات و احادیث جمع کر کے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اسلام سرمایہ داری کا اتنا ہی دشمن ہے جتنا اشتراکیت کا۔ اُنہوں نے دولت کے ارتکاز، مزدوروں کی بہبود، سود کی لعنت، امپریلزم، سیکولرازم، نیشنلزم اور سوشلزم سارے موضوعات پر روشنی ڈالی ہے۔ اور اسلام کے صراطِ مستقیم کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ داری اور جاگیرداری وہ بدبلائیں ہیں کہ جب تک کسی معاشرے پر مسلط ہوں، وہ اسلام تک تو کیا پہنچے گا، عمومی فلاح و بہبود سے بھی بہرہ مند نہ ہو سکے گا۔

نظریۂ کسب و انفاق از جناب حکیم محمد اسحٰق حویلیاں ۔ ناشر: منظور حسن اکیڈمی، کراچی۔ قیمت: ۱۶/ روپے

اِس کتاب کا بھی تعلق نظامِ معاش سے ہے، حکیم صاحب نے قرآن، حدیث اور سیرت پاکؐ کی روشنی میں یہ دکھایا ہے کہ اگر لوگ حلال کی کمائی کے پابند ہوں، تبذیر و اسراف سے بچنے والے ہوں، اور انفاق میں فراخ دست ہوں تو نظامِ معیشت بھی درست رہتا ہے اور انسانی کردار بھی۔ انہوں نے انسان کی ذہنی اصلاح سے لے کر آمد و صرف اور لین دین کی درستی تک، ہر معاملے میں باقاعدہ تحقیق کر کے دینی رہنمائی بہم پہنچائی ہے۔ کتاب قابلِ قدر ہے۔

شاہنامہ بالاکوٹ نتیجۂ کاوش جناب علیم ناصری ۔ ناشر: مکتبہ علمیہ ۴۴/سی، نصیر آباد، شالامار ٹاؤن ۔ لاہور ۲ قیمت: ۴۰/ روپے۔

یہ تحریک شہدائے بالاکوٹ کی منظوم داستان کا پہلا حصہ ہے جو ۲۰۴ صفحوں پر پھیلا ہوا

ہے۔ اسے لکھنے کا شرف جناب علیم ناصری کو حاصل ہوا، جو کہنہ مشق شاعر اور مخلص فن کار ہی نہیں، کتاب وسنّت والے مسلمان ہیں۔ ناصری صاحب نے ایک تاثر شیخ اکرام کی موجِ کوثر سے لیا، پھر مرزا حیرت دہلوی کی کتاب حیاتِ طیبہ خریدی۔ پھر مولینا غلام رسول مہر سے "سیّد احمد شہیدؒ" مستعار لی۔ اور شاہنامہ کا آغاز کر دیا۔ اس طویل مثنوی کا سب سے پہلے جو باب لکھا گیا وہ "معرکۂ اکوڑہ خٹک" ہے۔ مومن کی مثنوی جہاد کا تعلق بھی تحریک سیّد احمد شہید سے ہے۔ وہ ابتدا تھی، یہ انتہا ہے۔ سیّد ابوالحسن علی ندوی کا مقدمہ اور ڈاکٹر سیّد عبداللہ کی تقریظ "حقیقت نگاری" کو پڑھنے کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ ڈاکٹر صاحب اسے "عمدہ جنگ نامہ" قرار دیتے ہیں۔ جس میں تاریخ سے سرِمو انحراف نہیں کیا گیا۔ مبالغہ سے پاک واقعہ نگاری ہے جس کا ہر ہر لفظ ایمان و ایقان میں لپٹا ہوا اور جذبۂ جہاد سے ملفوف ہے۔

آغاز "موجِ کُہسار" سے ہوتا ہے جو بڑی پُرزور نظم بہ پیرایۂ غزل، بہ زبانِ فارسی، رنگِ اقبال لیے ہوئے ہے۔ پھر حمد و نعت کے صفحات ہیں۔ بعد ازاں "حرفِ اوّل" ہے۔ بہت زوردار شاعری ہے۔ پھر آگے جو نئے نئے در وا ہوتے ہیں، ان کو محض گنوانا بھی آسان نہیں۔ اہلِ ذوق خود پڑھیں۔

یہ کام ہے بڑا مشکل کہ مواد ٹھوس تاریخ کا ہو، اور جوں کا توں خارج سے لینا ہو اور بیان کا پیرایہ شعر کا ہو جس کی اصل داخلیت ہوتی ہے۔ ٹھوس حقائق کو تخیل میں آمیز کرنا، ایسا ہے جیسے موتی کو پگھلا کر آنسو میں یا یاقوت کو قطرۂ خون میں حل کیا جائے۔ علیم ناصری نے ایسی ہی کیمیاگری کی ہے۔

حکومت اور علمائے ربّانی | از مولینا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی۔ ناشر: مکتبۂ نذیریہ، چناب بلاک، اقبال ٹاؤن، لاہور ۱۸

یہ کتاب دورِ حاضر میں ماضی کے ایمان پرور اور جذبہ انگیز واقعات کو سامنے لا کر دلوں کو نئی زندگی دے سکتی ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ

امام بخاریؒ، امام شافعیؒ جیسے بزرگ لوگوں نے جابر حکمرانوں کے سامنے جو کردار پیش کیا، وہ علماء کے لیے بطورِ خاص اور ہر مسلمان کے لیے عموماً سبق آموز ہے۔

تازیانۂ شیطان | از مولینا احمد سعید دہلوی۔ نظرِ ثانی از معراج محمد بارق۔
ناشر: قدیمی کتب خانہ، بالمقابل آرام باغ، کراچی۔ قیمت مجلد ۲۸/روپے، پیپر بیک ۱۶/روپے

کتاب وسنّت کی بنیاد پر شیطان کے کردار کا جائزہ لیا گیا ہے، نیز اہم روایتوں اور اقتباسات کی بنیاد پر دکھایا گیا ہے کہ شیطان انسان کو گمراہ کرنے کے لیے کس کس طرح کی چالیں چلتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اولادِ آدم اس ازلی دشمن کے بارے میں متنبہ ہو اور اس کے طریقۂ واردات کو جانے اور اس سے بچنے کی تدبیریں کرے۔ شیطان کے مقابل میں خدا کی پناہ حاصل کرنے کے لیے بھی تعلیم دی گئی ہے۔ آخر میں نتیجۂ اطاعتِ رحمٰن اور ثمرۂ پیرویٔ نفس شیطان کے حقائق بصورتِ تقابل بیان کیے گئے ہیں۔

لاتفرقوا | از جناب محمد ارشد آزاد۔ ناشر: دار التبلیغ جامع مسجد انوارِ مدینہ، گلبرگ ۳، لاہور۔ قیمت درج نہیں۔

اس تبلیغی پمفلٹ میں آیات، احادیث اور اشعار جمع کر کے اس پر زور دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو متحد ہونا چاہیے۔

سرکاری نظامِ تعلیم میں تدریسِ عربی | جناب حافظ نذر احمد صاحب، پرنسپل شبلی کالج، لاہور
ناشر: تعلیم القرآن خط وکتابت اسکول، پوسٹ بکس نمبر ۱۷۱۲۔ محمد نگر، لاہور ۳۔ قیمت درج نہیں

اس مختصر سے مقالے میں حافظ صاحب نے کمال کر دیا ہے کہ سرکاری اداروں میں عربی زبان کی تعلیمی رفتار کے اعداد و شمار کے ذریعے حالات کی دردناک تصویر کھینچ دی ہے۔
سارے صوبوں میں، ہر ایجوکیشن بورڈ کے تحت اور میٹرک، ایف اے، بی اے اور ایم اے

کی سطح پر عربی زبان کی تعلیم کا حال اور طلبہ کی تعداد سب واضح ہے۔ مثلاً کراچی یونیورسٹی کراچی کے جائزے سے بی ایم اے کی سطح کا یہ حساب پیش کیا گیا ہے کہ دوسرے مضامین کی بہ نسبت عربی کے طلبہ ۱۹۷۰ء میں ۶ فی ہزار تھے۔ ۱۹۷۳ء میں ۳ فی ہزار اور ۱۹۸۴ء میں نسبت ایک فی ہزار سے بھی کم ہو گئی۔ یہ حال ہے اس ملک کا جو اسلام کو قائم کرنے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ حافظ صاحب نے کئی ماہ کی مشقت سے یہ اعداد و شمار جمع کیے ہیں۔

انتخابات اور جماعت اسلامی | از جناب سید محمد رضوی صاحب۔ ناشر: دارالبحوث الاسلامی

پوسٹ بکس نمبر ۴۰۲، کراچی۔ صفحات ۸۰ قیمت: ۵/- روپے

اس پمفلٹ میں گذشتہ ملکی انتخابات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ بد قسمتی سے سنجیدہ تحقیقی بحث کے بجائے مناظرانہ رنگ غالب ہو گیا ہے۔

عہدِ وفا اور وفائے عہد | از جناب خرم جاہ مراد۔ ناشر: حلقۂ خواتین پاکستان۔

ملنے کا پتہ: ادارہ بتول، ۸ سلطان احمد روڈ، اچھرہ، لاہور ۱۶

قیمت: ۱/۳۰ روپیہ

خرم جاہ مراد ہمارے گراں قدر دانشور اور پُر خلوص رفیق ہیں۔ ان کو قرآن سے بڑی محبت ہے۔ اور قرآن کا پیغام دوسروں تک مؤثر اسالیب میں پہنچانے کی خاص صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس پمفلٹ میں سورۂ فتح کی آیات ۸ تا ۱۰ کے مفہوم و مدّعا کو بڑی خوبی سے انہوں نے واضح کیا ہے۔

دلشادیہ تفسیر القرآن العظیم | از جناب دلشاد کلانچوی۔ ناشر: سرائیکی لائبریری بہاولپور۔

بلا قیمت۔ اس رسالہ میں سورہ فاتحہ کا ترجمہ سرائیکی زبان میں دیا گیا ہے۔ بظاہر نقطہ نظر مناسب ہی معلوم ہوتا ہے، مگر سرائیکی تحریر کو پڑھنا اور سمجھنا ہمارے لیے تو مشکل ہے۔

ادارہ معارف اسلامی کی جانب سے

تحفۂ عید

تذکرہ سید مودودیؒ

جلد اول

شائع ہوگیا

مقالات
انٹرویوز
سوالنامہ اور
اس کے جوابات
روزنامچے
نوادرات

ضخامت ۱۰۰ صفحات، کاغذ کتابت اعلیٰ
طباعت دو رنگ میں۔
متعدد اندرونی رنگین سرورق
تحریروں کے عکس اور اہم تصاویر
قیمت قسم اعلیٰ: ۱۵۰/- روپے
قیمت قسم عام: ۱۰۰/- روپے

مکتبہ المنار • منصورہ • لاہور ۱۸

ایک دعوتی مہم

رمضان المبارک سے عید الاضحیٰ تک

مفکرِ اسلام مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق کُتب "خطبات" اور "اسلام کا نظامِ حیات" کے تبلیغی مقاصد کے لیے خصوصی رعایتی ایڈیشن (مع قیمتی اضافوں کے) شائع کئے گئے ہیں۔ ان کُتب کو لاکھوں ہاتھوں تک پہنچانے کے لیے جماعتِ اسلامی کے کارکنان خصوصی دلچسپی لیں اور اسے قیمتاً لوگوں تک پہنچائیں۔

خصوصی رعایتی قیمت یہ ہے

- خطبات (صفحات ۳۸۸، عمدہ کاغذ) قیمت: ۱۱/- روپے
- اسلام کا نظامِ حیات (صفحات ۶۰، عمدہ کاغذ) قیمت: ۲/- روپے

یہ کُتب اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ چوک رنگ محل شاہ عالم مارکیٹ لاہور سے براہِ راست

یا

شعبۂ تنظیم جماعتِ اسلامی پاکستان منصورہ، لاہور ۱۸ سے منگوائی جا سکتی ہیں

شعبۂ تنظیم جماعتِ اسلامی پاکستان، منصورہ، لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۰۵ | جون ۱۹۸۶ء مطابق شوال ۱۴۰۶ھ | عدد ۴

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

زر سالانہ تیس روپے۔ فی پرچہ -/۳ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایس فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

تفہیم القرآن — نیا ایڈیشن

تفہیم القرآن آفسٹ پیپر اور پرنٹنگ پیپر پر
شائع کرنے کے بعد ولایتی گلیز پیپر پر شائع کی گئی ہے۔

— چھ ۶ جلدوں کی بجائے تین جلدیں
— سفید، چکنا اور مضبوط درآمدی کاغذ
— خوبصورت اور نفیس جلدوں سے مزین

ناشر

ادارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ

رحمان مارکیٹ ۔ غزنی سٹریٹ ۔ اردو بازار ۔ لاہور